

عبرت و اعتبار!

الحافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (م ۵۰۷ھ) کہتے ہیں:

سمعت ابا بکر المزکی عبد اللہ بن الحسین التوی بہمذان یقول: سمعت
أبی یقول: كنت عند أبی حامد الاسفرائینی فذكر له رجل یکتہ مصحفا فی
یوم، فاجتمع بالرجل فقال له: أنت تکتب مصحفا فی یوم؟ فقال: نعم، وما
مسنا من لغوب! وأشار بثلاثة أصابعه، فجفت یدہ فی الحال.

(المثور من الحکایات والسؤالات لابی الفضل المقدسی، ص: ۳۳)
”میں نے ابو بکر عبد اللہ بن حسین سے ہمدان میں سنا، وہ کہتے ہیں میں نے اپنے والد سے سنا کہ میں
ابو حامد الاسفرائینی کے پاس تھا، ایک آدمی کا ذکر کیا گیا جو ایک دن میں مصحف (قرآن مجید) لکھ لیتا،
ابو حامد اس آدمی سے ملے تو کہنے لگے: تم ایک دن میں مصحف لکھتے ہو؟ تین انگلیوں سے اشارہ کر کے
کہنے لگا: ہاں، وما مسنا من لغوب! (اور ہمیں کوئی تھکاوٹ بھی نہیں پہنچی۔) اس نے یہ کہا ہی تھا
کہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا (یعنی قانچ ہو گیا۔)

﴿وما مسنا من لغوب﴾ سورہ ق کی ایک آیت کا حصہ ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے بارے میں
بیان کیا ہے اس شخص نے اس کو اپنے اوپر چسپاں کرنے کی اور اللہ کی برابری کرنے کی کوشش کی جس کا یہ
انجام ہوا۔“

تزکیہ نفس

درحقیقت تزکیہ نفس ہی پر حیاتِ انسانی کی فلاح و بہبود کا دار و مدار ہے اور یہی نجات و کامرانی کا مرکزی ستون اور اس کا اصل منبع ہے۔ اگر نفس کو یونہی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس سے نیکی و بھلائی کا صدور اور اعمالِ صالحہ کا وجود نہ ہوگا لیکن اگر اس کی اصلاح اور اس کا تزکیہ کر دیا جائے تو فلاح و کامیابی اس کا استقبال کرے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

”یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (نفس) کو پاک کر لیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اس کو فحور سے ملوث کیا۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾

”یعنی جس نے پاکیزگی اختیار کی وہ فلاح پا گیا۔“

ان آیات میں قرآن نے بالکل واضح اور دو ٹوک الفاظ میں بیان کیا ہے کہ نجات یا ہلاکت کا دار و مدار نفسِ انسانی کی صفائی اور گندگی پر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تزکیہ نفس سارے اعمال و عبادات اور ایمانیات و عقائد کو محیط ہے۔ زکوٰۃ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾

”آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے اور اس کے ذریعے انہیں پاک و صاف کیجیے۔“

یعنی زکوٰۃ تطہیرِ باطن اور تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بخل و حرص نفس کا خاصہ ہے اور یہ اخلاقاً سب سے زیادہ قبیح اور ضرر رساں ہے۔ اس لیے کہ جس کی طبیعت میں بخل و حرص ہوگا وہ مال و دولت کا غلام ہو جائے گا اور طرح طرح کی ذلیل و ذلیل اور اخلاق و انسانیت کے معیار سے گری ہوئی حرکتیں کرے گا۔ اس کے برخلاف ادائیگی زکوٰۃ سے نفس کا بخل اور اس کی حرص ختم ہو جاتی ہے اور انسان بخل سے تعلق رکھنے والی گراؤوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کے اندر تقویٰ اور احسان و اخلاص کو اپنانے کی جو تاکید بار بار آئی ہے ان سب کا حاصل بھی تزکیہ نفس اور اتباع ہوا و ہوس سے تحفظ ہے بلکہ اسلام میں جتنے بھی اعمال و عبادات کا حکم ہے۔ سب کا حاصل یہی تزکیہ نفس ہے۔ (عبدالسمیع محمد ہارون انصاری)

الاعنصل

یکے از مطبوعات دارالدعوة السلفية

04 شعبان المعظم 1434 ھ جمعۃ المبارک 14 تا 20 جون 2013ء

شماره 24 جلد 65

مجلس ادارت

- شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی
- مولانا محمد اسحاق بھٹی
- مولانا ارشاد الحق اثری
- ملک عصمت اللہ قلعوی
- حافظ حماد شاہر
- حماد الحق نعیم
- مدیر مسئول
- حافظ احمد شاہر

مینجر

○ محمد سلیم چنیوٹی 0333-4786507

کمپوزنگ

○ رضا اللہ ساجد 0344-4656461

☆ جواہر پارے

عبرت و اعتبار!

☆ کلمہ طیبہ

تزکیہ نفس

☆ ادارہ

2 (حافظ احمد شاہر)

☆ درسی قرآن

4 (مولانا ارشاد الحق اثری) تفسیر سورة الصَّفَّت (۸)

☆ درسی حدیث

5 (ابوجہرہ عبدالجبار المری) "کتاب الایمان" (۱۲)

☆ مذاکرہ علمیہ

7 مالک الملک کے اپنے بندوں پر احسانات (۳) (حافظ محمد شہباز حسن)

☆ استشرق و مستشرقین

13 تحریک استشرق، ایک تعارف (ڈاکٹر حافظ محمد زبیر)

☆ گوشہ خواتین

22 زیور سے زینت (۱) (ام عبدغنیہ)

☆ تذکرہ اہباب

28 محترم چودھری غلام حسین تھانوی (محمد اسحاق بھٹی)

خط کتابت کے لیے : ہفت روزہ الاعتصام، 31 شیش محل روڈ، لاہور
 کرنٹ اکاؤنٹ نمبر : ABL 2466-4 بلال گنج پرائیج لاہور
 فون نمبر : 042-3735 4406
 فیکس نمبر : 042-37229802
 رجسٹرڈ نمبر : CPL : 12

فی پرچہ : 12/- روپے
 سالانہ : 500/- روپے
 بیرونی ممالک سے : 200/- ریال }
 60/- ڈالر امریکی



E-Mail: al.aitisam@gmail.com

پرنٹر: پرنٹ یار ڈپرنٹرز، لاہور۔ ناشر: حافظ احمد شاہر، مقام اشاعت: 31 شیش محل روڈ لاہور 54000

اٹھ باندھ کمر

اگرچہ افواہ..... کچھ آثار و شواہد کے ساتھ..... یہی تھی کہ مغربی عشوہ طراز کے غمزہ واداسے یا چشم یار کی شہ پاکر ہی اقتدار کی راہداریاں رونق افروز ہوں گی۔ انتخابی نتائج نے اس کی کچھ تصدیق بھی کر دی لیکن دیکھنے میں آیا کہ تجلہ اقتدار میں اس مرتبہ حکمران بہت نپے تلے قدموں بلکہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے داخل ہو رہے ہیں۔ ہم جیسے غلام نہما آزاد ممالک کے حکمرانوں کی خودی و خودداری ہی اغیار کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بلکہ کانے کی طرح چھینے والی جرأت یا حرکت ہوتی ہے جو اس کی آقائی حس کو بیدار و مستعد رکھتی ہے۔ اس نازک مقام پر کھڑے غیر مسلم حکمرانوں کو یہی قابو کرنا یا شیشے میں اتارنا مشکل ہوتا ہے چہ جائیکہ یہ احساسات کسی مسلم حکمران کے دل میں راہ پالیں یا اس حکمران کے دل میں ڈیرے ڈال لیں۔

دنیا میں بے شمار ایسے ممالک ہیں جنہوں نے غیر ملکی استبداد سے آزادی حاصل کی اور ان میں جن قائدین آزادی نے اپنے وطن کے استحکام، ترقی اور اپنی قوم کی فلاح و بہبود کا راستہ اپنایا ان ممالک اور اقوام کے قائدین نے بہت جلد اس میں کامیابی بھی حاصل کر لی ان کی حکمت عملی کی پائیدار بنیاد عموماً دو اصولوں پر معلوم ہوتی ہے، ایک ذاتی..... مفادات کا..... ایثار اور دوسرا ملک و قوم کے لیے جان و مال کی قربانی۔ لیکن اسلام نے پوری دنیوی زندگی اور نظام حیات کی بنیاد صرف احساس جواب دہی پر رکھی ہے۔ اسلام ہر مسلمان کو پہلا اور آخری سبق یہی سکھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو دیکھ رہا ہے تمہارا دنیا کا ہر عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں ریکارڈ ہے جس کو اس کے دائیں بائیں کے مستقل کارندے لکھ رہے ہیں۔ تمہارے ان اعمال پر قیامت کے دن تمہارے ہاتھ پاؤں اور زبان سب گواہ ہوں گے۔ قیامت کے دن جس کا تم کو حساب دینا ہو گا اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے احساس جواب دہی ایک نعمت ہے جس نے ان کو تمام دنیا سے ممتاز کر دیا اور ان کو منفرد مقام سے نوازا ہے۔ اس احساس میں ذاتی مفادات بلکہ ضروریات تک کا ایثار بھی ہوتا ہے جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو جان و مال کی قربانی کے داعیے سے بھی نواز دیتا ہے، جس کا منطقی نتیجہ آخرت کی جزا و سزا اور جنت یا جہنم کی دائمی زندگی پر ایمان و یقین ہوتا ہے اور یہی ایمان و یقین جواب دہی کے احساس کو زندہ رکھتا اور مسلمان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتا ہے اور یہی وہ نکتہ ہے جو کفر کو سمجھ نہیں آتا اور یہ نکتہ محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان کے بغیر سمجھ آ بھی نہیں سکتا۔ اذان و اقامت تو ہر مسلمان بچے کے نصیب میں ہوتی ہے لیکن جن خوش نصیب بچوں کے خوش بخت والدین بچوں کی زندگی سے اذان و اقامت سے رابطہ برقرار رکھتے بلکہ اس کی نمونہ کرتے رہتے ہیں، یعنی بچوں کو نماز کا پابند بنانے کی کوشش کرتے رہیں ان کے حاشیہ خیال میں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اکرم ﷺ کی محبت، نماز، صدقہ اور خدمت خلق کا جذبہ ان محروم خاندانوں سے نسبتاً بہت زیادہ ہوتا ہے جن کے والدین غفلت و کوتاہی کے سبب بچوں کی دینی و اخلاقی تربیت میں یہ اہتمام نہ کر سکے ہوں۔

مذکورہ بالا تناظر میں جناب میاں صاحب کے ڈرونز حملوں پر بیانات کو دیکھیں تو ان میں وہ پاکستانیت جھلکتی نظر آتی ہے جس کی ان سے توقع

کی جارہی تھی اور جس بنا پر اللہ تعالیٰ نے عوام کے اعتماد کے ذریعے اس مرتبہ ان کو حکمرانی کا ایک موقع پھر دے دیا ہے۔

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کے آخری نبی ﷺ پر اتاری ہوئی آخری کتاب ہے جس میں قیامت تک کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر حکمرانی سمیت نظام حیات کے جملہ سنہری اصول بیان فرما دیے ہیں۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۹ میں فرمایا:

”اور نہ تم کمزور بنو، اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب ہو اگر تم مومن ہو۔“

ایمان کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے کتاب حکیم کے شروع میں یوں فرمادی کہ مومن وہ ہیں جو ایمان بالغیب..... اللہ تعالیٰ کی ذات پر، یوم قیامت، جنت، جہنم اور فرشتوں پر ایمان..... لاتے ہیں۔ نماز..... یعنی صرف پڑھتے نہیں..... قائم کرتے اور جو کچھ ہم نے ان کو..... رزق، وقت..... دیا وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

ہم توقع کرتے ہیں کہ حکمرانوں میں جو لو غیر وفلاح کے جذبوں سے معمور خاندانوں کے تربیت یافتہ ہیں وہ تربیت کا حق ادا کریں گے۔ مومنین کی مذکورہ بالا صفات میں پہلی صفت ایمان بالغیب کی معلوم ہوئی۔ اور یہ ایسی صفت ہے کہ باعمل اور بے عمل ہر مسلمان ایمان بالغیب پر یقین رکھتا ہے اور قیامت اس کو ہمیشہ یاد رہتی ہے۔ دوسری صفت اقامت صلاۃ ہے۔ من حیث القوم ہم اس صفت سے اس طرح متصف نہیں جس طرح اس کا حق ہے بلکہ اس سے بہت دور ہیں۔ جنرل ضیاء الحق رحمہ اللہ نے سرکاری دفاتر کے اوقات کار میں اقامت صلاۃ کا حکم جاری کیا تھا جس پر ان کو تنقید حتیٰ کہ مسخر و استہزاء کا نشانہ بھی بنایا گیا۔ اوقات نماز کی آڑ میں بعض کم نصیبوں نے اس وقت کا غلط استعمال بھی کیا لیکن ہمارے خیال بلکہ شریعت کے احکام کے مطابق مسئول..... سیکشن افسر سے لے کر حاکم وقت تک..... جب اپنا حق، یعنی نماز کے قیام کا حکم اور وقت دے دے گا تو ان شاء اللہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ مسئولیت سے بری ہو جائے گا۔ دفتر کے انچارج یا وقت کے حکمران کا کام نماز کے قیام کا حکم اور وقت دینا ہے اس کے بعد ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کے ہاں خود ہی جوابدہ ہوگا۔ لہذا ضیاء الحق کی جانشینی کے مطعون جناب میاں صاحب خود تو بفضلہ تعالیٰ نماز پڑھتے ہی ہیں، اگر تمام دفاتر میں اقامت صلاۃ کا حکم جاری کر دیں تو ان کا یہ فعل ان شاء اللہ عند اللہ مسئولیت کا حق ادا کیے جانے کی کوشش بھی سچی جائے گی۔

تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ بفضلہ تعالیٰ مسلم امہ اس پہلو سے کافی سعادت مند ہے۔ ہر طبقے، ہر علاقے اور ہر خاندان میں اس کی روشن مثالیں کافی ہیں۔ غرباء، یتامی و مساکین کے علاوہ مسلمان دین اور اہل دین پر جس نسبت اور جس جذبے سے خرچ کرتے ہیں اس چیز نے طاغوت کو الجھا رکھا ہے کہ مال تو دنیا کے دیگر اہل مذاہب بھی بے تحاشا خرچ کرتے ہیں لیکن مسلمان جس ولولے، شوق اور جذبے سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر اور نبی ﷺ کی حرمت پر جان قربان کر دیتے ہیں اس جذبے اور ولولے نے کفر کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ من حیث الحکومت یا یوں کہہ لیں کہ اسٹیمبلشمنٹ کے تیار کیے ہوئے حکومتی خطوط، یعنی روڈ میپ میں مسلمانوں کے لیے جان و مال کی قربانی کا خانہ صرف اس لیے نہیں کہ عالمی معاشی حالات کی کہر اور طاغوت کے قہر سے ہم خوف زدہ ہیں۔

مذکورہ بالا آیت میں غلبے کی پہلی شرط ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ تم کمزور نہ بنو، کفار سے سینہ سپر ہونے کے لیے جب ہم اپنی عسا کر کو بہادری اور پیش قدمی کا سبق دیتے ہیں تو پھر حکمرانوں کو طاغوت کے بالمقابل حق اور سچ کہنے کے لیے دل و دماغ کے حاشیہ خیال میں کمزوری و ناتوانی کا وہم نکال کر برابر کی سطح پر بات کرنی چاہیے۔

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ٥﴾

تفسیر سورۃ الصفّ

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ

کاہن اور کہانت:

کہانت سے نہیں بلکہ شمسی حساب و کتاب سے اور سائنسی آلات کے ذریعے ہوا کے دباؤ کو محسوس کرنے سے ہے۔ کاہن اور کہانت کے بارے میں اور ان سے امور غیب مثلاً چوری کے بارے میں یا گم شدہ اشیاء کے بارے میں پوچھنے پر سخت وعید آئی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کاہن یا عراف کے پاس گیا اور جو اس نے کہا اس کو صحیح سمجھا، اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔

(ابوداؤد: ۳۹۰۴، الحاکم: ۸/۱، الارواء: ۶۸/۷)

بعض ازواج مطہرات نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو عراف کے پاس گیا اور اس سے کسی شے کے بارے میں سوال کیا اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم: ۲۲۳۰)

یہی روایت مسند امام احمد (ج: ۴، ص: ۶۸، ج: ۵، ص: ۳۸۰) میں ہے جس میں یہ اضافہ ہے کہ جو عراف کے پاس گیا اور اس سے کسی شے کے بارے میں سوال کیا پھر اس کو سچا سمجھا۔ اس لیے عراف یا کاہن کے پاس جانے اور سوال کرنے پر نہیں بلکہ اس کو سچا جاننے پر یہ وعید ہے۔ کاہن کے پاس جانے اور سوال کرنے کی مختلف قسمیں ہیں۔

۱: کاہن سے صرف سوال کیا جائے۔ یہ حرام ہے۔
۲: کاہن سے جو پوچھا اس کا جواب صحیح سمجھا ہے تو یہ کفر ہے کیونکہ اس نے اس بات کو تسلیم کیا کہ وہ علم غیب جانتا ہے۔ اور یہ قرآن مجید کی تکذیب ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے:

”کہہ دے اللہ کے سوا آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے غیب نہیں جانتا۔“ (النمل: ۶۵) (باقی صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ کیجیے)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہانت کی حسب ذیل چار صورتیں ذکر کی ہے:

۱: کسی انسان کی دوستی جن سے ہوتی وہ آسمان سے خبریں سن کر اپنے ساتھی کو بتلا دیتا اسلام آنے پر یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ تاہم شیاطین استراق سے کچھ سن لیتے ہیں اور اپنے دوستوں کو بتلا دیتے ہیں۔

۲: جنات زمین کے اطراف کی خبریں جن سے عموماً لوگ بے خبر ہوتے ہیں اپنے دوست کو بتلاتے ہیں اور وہ آگے لوگوں کو مطلع کرتا۔

۳: اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں میں ایک قوت پیدا کی ہوتی ہے جس سے وہ اندازے سے مستقبل کی خبریں دیتا ہے۔ اور اکثر وہ جھوٹی ہوتی ہیں۔ (اس فن کے ماہر کو عراف کہا جاتا ہے۔)

۴: بعض اپنے تجربہ اور کچھ عادات کی بنا پر کسی ہونے والے کام کا اندازہ لگا لیتے ہیں۔ علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ کاہن تیز طرار، شریر، خبیث النفس اور ناری طبیعتیں رکھتے ہیں۔ جنوں سے ان کا رابطہ ہوتا ہے اور مختلف حوادث و واقعات کے متعلق ان سے سوال کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ وہ انہیں خبریں بتا دیتے ہیں۔

(فتح الباری: ۲۱۰/۱۰)

تقریباً یہی اقسام قاضی عیاض نے اکمال المعلم (۱۵۳/۷) اور علامہ نووی نے شرح مسلم (۲۳۳/۲) میں بیان کی ہیں۔

مگر وہ امور جو حساب کے ذریعے یا حسی طور پر معلوم ہوتے ہیں جیسے چاند اور سورج خسوف و کسوف ہے یا بارش کی خبر ہے تو ان کا تعلق

تحفۃ الاخوان
ترجمہ
کتاب الایمان

ترجمہ: ابو حمزہ عبدالحمید المری

میں زیادتی ہو) تو وہ دونوں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد کرتے۔“

۱۰۸۔ عن ذر فقال: کان عمر ربما يأخذ بيد الرجل والرجلين من أصحابه فيقول: قم بنا نرداد إيماناً.

”حضرت ذر بن عبد اللہ المرہبی کہتے ہیں: بعض اوقات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے کہ ہمارے ساتھ آؤ ایمان بڑھائیں۔“

۱۰۹۔ عن سلمان قال: إن مثل الصلوات الخمس كمثل سهام الغنيمة فمن يضرب بأربع خير ممن يضرب فيها بثلاثة، ومن يضرب فيها بثلاثة، خير ممن يضرب فيها بسهمين، ومن يضرب فيها بسهمين خير ممن يضرب فيها بواحد، وما جعل الله من له سهم في الإسلام كمن لا سهم له. (صحيح)

”حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پنجگانہ نماز کی مثال مال غنیمت کے حصوں کی ہے جس کے چار حصے نکالے جائیں تین حصوں سے بہتر ہے اور جس کے تین حصے نکلیں اس سے بہتر ہے جس کے دو حصے نکلیں اور دو حصے والا اس سے بہتر ہے جس کا ایک حصہ نکلے اور اللہ تعالیٰ نے اسلام میں حصہ دار کو اس جیسا نہیں بنایا جس کا کوئی حصہ نہیں۔“

۱۱۰۔ عن البراء قال: قال رسول الله ﷺ: أوثق عرى الإسلام: الحب في الله والبغض

۱۰۴۔ عن علقمة أنه كان يقول لأصحابه:

إمشوا بنا نرداد إيماناً. (حسن)

”حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ آؤ میرے ساتھ، ایمان میں اضافہ کریں۔“

۱۰۵۔ قال معاذ: اجلسوا بنا نؤمن ساعة، يعني نذكر الله تعالى.

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہمارے ساتھ گھڑی بھر بیٹھو ایمان تازہ کریں، یعنی اللہ کا ذکر کریں۔“

۱۰۶۔ كان أبو الدرداء يقول: اللهم إني أسألك إيماناً دائماً، وعلماً نافعاً، وهدياً قيماً. قال معاوية: فترى أن من الإيمان إيماناً ليس بدائم، ومن العلم علماً لا ينفع، ومن الهدى هدياً ليس بقيم. (صحيح)

”ابو درداء عوفیہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے اے اللہ! میں تجھ سے دائمی ایمان، مفید علم اور اچھی سیرت کا سوال کرتا ہوں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سمجھتے ہیں کہ بعض دفعہ ایمان دائمی نہیں ہوتا اسی طرح علم فائدے والا نہیں ہوتا اور رشد و ہدایت بھی درست نہیں رہتی۔“

۱۰۷۔ كان معاذ يقول للرجل من إخوانه: اجلس بنا فلنؤمن ساعة، فيجلسان فيذكران الله ويحمدانه. (صحيح)

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھائیوں میں سے کسی کو کہتے کہ کچھ دیر ہمارے ساتھ بیٹھو ایک گھڑی ایمان لائیں (یعنی ایمان

فی اللہ .

”حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کے مضبوط ارکان میں اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور اس کی خاطر بغض ہے۔“

۱۱۱۔ عن مجاهد قال: أوثق عرى الإيمان الحب في الله والبغض في الله .

”مجاہد بن جبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسلام کے مضبوط ارکان میں سے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت اور اس کی خاطر بغض ہے۔“

۱۱۲۔ عن تميم الداري قال: أول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة المكتوبة، فإن أتمها وإلا قيل: انظروا هل له من تطوع؟ فأكملت الفريضة [من تطوعه] فإن لم تكمل الفريضة ولم يكن له تطوع أخذ بطرفيه فقذف به في النار . (صحيح)

”حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قیامت کو سب سے اول نماز فرض کا حساب ہوگا۔ اگر فرض مکمل ہوگا تو ٹھیک و گرنہ کہا جائے گا کہ اس کے نوافل ہیں؟ اس صورت میں نوافل سے نماز فرض مکمل کی جائے گی اور اگر نوافل نہیں ہوں گے تو دونوں کندھوں سے پکڑ کر جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔“

۱۱۳۔ عن تميم بمثل حديث يزيد إلا أنه لم يذكر يؤخذ بطرفيه فيقذف به في النار .

”مذکورہ بالا (روایت: ۱۱۳) بیٹم از داود راز زرارة از تمیم کی سند سے بھی یزید کی روایت کے مثل مروی ہے الا یہ کہ اس نے یہ لفظ ذکر نہیں کیے ”یؤخذ بطرفيه فيقذف به فی النار .“

۱۱۴۔ عن محمد بن صالح الأنصاري: أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لقي عوف بن مالك، فقال:

كيف أصبحت يا عوف ابن مالك؟ قال أصبحت مؤمناً حقاً، فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: إن لكل قول حقيقة، فما حقيقة ذلك؟ قال: يا رسول الله أطلقت نفسي عن الدنيا، فأسهرت ليلي، وأظمأت هواجري، وكأني أنظر إلى عرش ربي، وكأني أنظر إلى أهل الجنة يتزاورون فيها، وكأني أنظر إلى أهل النار يتضاغون فيها فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: عرفت، أو لقتن فالزم .

”محمد بن صالح الأنصاری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک سے ملاقات ہوئی تو فرمایا: اے عوف! تم نے کس طرح رکیسے صبح کی؟ جواب دیا: سچے مومن کی صبح کی۔ ارشاد فرمایا کہ ہر بات کی حقیقت ہوتی ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟ عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے دنیا کو چھوڑ دیا، رات کو بیدار رہا، دن کو پیاسا رہا، گویا کہ اپنے رب کے عرش کو دیکھ رہا ہوں اور جنتیوں کی طرف دیکھ رہا ہوں ایک دوسرے کی ملاقات کر رہے ہیں اور اسی طرح جہنمیوں کو چیخ و پکار کرتے دیکھ رہا ہوں تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے پہچان لیا یا الہام کیا گیا تو پھر اس پر ڈٹ جا۔“

خطبہ جمعۃ المبارک

14 جون 2013ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام، 4 شیش محل روڈ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک جناب پروفیسر ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن ارشاد فرمائیں گے۔

خطبہ جمعہ ٹھیک ایک بجے شروع ہوگا، ان شاء اللہ۔

بروقت شرکت فرما کر مستفید ہوں۔

(محمد حسین سعید، منتظم دارالعلوم تقویۃ الاسلام)

مالک الملک کے اپنے بندوں پر احسانات

ڈاکٹر حافظ محمد شہباز حسن

اللہ کو کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا:

اللہ تعالیٰ کامل قدرت والا ہے۔ ساری کائنات مل کر بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ پہلے پچھلے تمام جن و انس متقی ترین انسان کی طرح بن جائیں تو اس سے اللہ کی بادشاہت میں اضافہ نہیں ہوتا، اور اگر یہ سب بدترین انسان کی طرح ہو جائیں تو اس سے اس کی بادشاہت میں کمی نہیں آتی۔ نہ وہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اسے کسی سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ اس سلسلے کی چند آیات ملاحظہ کریں:

۱۔ ﴿وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ [آل عمران: ۱۷۶، ۱۷۷]

”جو لوگ کفر میں تیزی دکھاتے ہیں ان کی سرگرمیاں آپ کو غمگین نہ کریں۔ یقیناً وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا، وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے، اور ان کے لیے درناک عذاب ہے۔“

۲۔ ﴿وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ [آل عمران: ۱۴۴]

”اور جو کوئی اپنی ایڑھیوں کے بل پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے گا۔“

۳۔ ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ [النساء: ۱۳۱]

”اور اگر تم کفر کرو گے تو بے شک آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ بطور کارساز کافی ہے۔“

۴۔ ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ [إبراهيم: ۸]

”اور موسیٰ نے کہا اگر تم کفر کرو گے اور وہ سب لوگ جو زمین میں ہیں تو یقیناً اللہ بے پروا اور لائق تعریف ہے۔“

۵۔ ﴿وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾

[آل عمران: ۹۷]

”اور جس نے کفر کیا تو بے شک اللہ ساری دنیا سے بے پروا ہے۔“

اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں آتی:

تمام پہلے پچھلے جن و انس اگر اکٹھے ہو کر اللہ سے مانگنا شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ سب کی مانگ پوری کر دے تو اس کے خزانوں میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اس کی نعمتیں اور خزانے بے حد و حساب ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَدُ اللَّهِ مَلَأَى لَا تَغْنِيهَا نَفَقَةُ سَحَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَقَالَ: ارْءَيْتُمْ مَا انْفَقَ مِنْ خَلْقِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ فَانْهَ لَمْ يَغْضُ مَا فِي يَدِهِ .

(صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۴۶۸۴، صحیح

مسلم، رقم الحدیث: ۹۹۳)

”اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے۔ دن رات کے مسلسل خرچ سے بھی

اس میں کمی واقع نہیں ہوتی، اور اس نے فرمایا کہ تم نے دیکھا نہیں کہ جب سے اللہ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے مسلسل خرچ کر رہا ہے مگر اس کے ہاتھ جو کچھ ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔“

اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگنا ہو عزم و یقین اور الحاح و اصرار کے ساتھ مانگا جائے، اس لیے بندہ اپنی دنیا و آخرت کی بہتری کے لیے اللہ تعالیٰ سے جو بھی طلب کرتا ہے، وہ چیز عطا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے قطعاً کوئی مشکل نہیں۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے:

اذا دعا احدكم فلا يقل: اللهم اغفر لي ان شئت ولكن ليعزم المسئلة، وليعظم الرغبة فان الله لا يتعاظمه شيء. (صحیح بخاری، رقم الحديث: ۶۳۳۸، صحیح مسلم، رقم الحديث: ۲۶۷۸، ابوداؤد: ۱۴۸۳)

”جب تم میں سے کوئی شخص دعا کرے تو یہ نہ کہے: اللہ! میری مغفرت کر دے اگر تو چاہے، لیکن اسے چاہیے کہ یقین کے ساتھ مانگے اور رغبت کا خوب اظہار کرے، اس لیے کہ کوئی بھی چیز (مانگنے والے کو) دینا اس کے لیے بڑی بات نہیں۔“

لہذا اللہ تعالیٰ سے بڑھ چڑھ کر مانگیں کیونکہ اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ [النحل: ۹۶]

”جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کی اخروی نعمتیں بھی ایسی ہی ہیں ان میں کمی واقع نہیں ہوتی، مثلاً: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ۖ لَا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ۝﴾

[الواقعة: ۳۲، ۳۳]

”اور وافر پھلوں میں جو نہ تو کبھی ختم ہوں گے اور نہ ممنوع۔“

حدیث زیر بحث میں آنے والے الفاظ ما نقص ذلك مما عندی الا کما ینقص المخیط اذا ادخل البحر سے بھی یہی مراد ہے کہ اللہ کے خزانوں میں معمولی کمی بھی نہیں آتی۔ اور درج کردہ حدیث ”اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے“ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

یہاں یہ شبہ نہیں پڑنا چاہیے کہ سوئی کے سمندر میں ڈبونے سے برائے نام ہی سہی، کچھ تو کمی آ جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لی جائے تو سمندر کے پانی کو کوئی فرق نہیں پڑتا، بحر بے کنار تو درکنار ایک پیالی پانی میں بھی اگر سوئی ڈال کر نکال لی جائے تو اس میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح اگر ایک چڑیا (مثلاً) سمندر سے پانی پی لے تو اس میں قطعاً کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نبی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہی مثال بیان کی: ”جب حضرت موسیٰ و خضر علیہ السلام کشتی پر سوار ہوئے تو ایک چڑیا آئی، اس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر سمندر میں ایک یا دو چونچیں ماریں (اسے دیکھ کر) حضرت خضر علیہ السلام بولے: موسیٰ! میرے اور آپ کے علم نے اللہ کے علم سے اتنا ہی کم کیا ہوگا جتنا اس چڑیا نے اس سمندر (کے پانی) سے۔“

(صحیح بخاری، رقم الحديث: ۱۱۲)

یہاں علم کی مثال سے تو مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے، کیونکہ علم اگر دوسروں کو سکھا دیا جائے تو وہ کم نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر اللہ تعالیٰ اپنا سارا علم بھی اپنی مخلوقات کو عطا کر دے تو اس سے اس کے علم میں ذرا کمی نہیں آتی۔ اس لیے الا کما ینقص المخیط میں جو استثناء ہے اس سے اللہ کے خزانوں میں کمی نہ ہونے کو زور دار انداز میں بیان کرنا مقصود ہے۔ جیسے عربوں کے اس شعر میں ہے۔

ولا عیب فیہم غیر ان سیوفہم

بہن فلول من قراع الکتاب

”ان میں اس کے سوا کوئی عیب نہیں کہ فوج کی ڈھال (با قیادت)

کی وجہ سے ان کی تلواروں میں دندانے پڑ گئے ہیں۔“

اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔“
اسی طرح جب وہ کسی کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کن کہہ دیتا ہے تو وہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد الہی ہے:

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ [آل عمران: ۵۹]
”یقیناً اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا ہو جاؤ تو وہ ہو گیا۔“

ولا تخضعن لمخلوق على طمع
فان ذاك مضر منكم بالدين
واسترزق الله مما في خزائنه

فانما هي بين الكاف والنون
”کسی لالچ میں مخلوق کے آگے ہرگز نہ جھکنا، یہ تمہاری طرف سے دین کو نقصان پہنچانے والا عمل ہوگا۔ اور اللہ سے طلب کرو جو اس کے خزانوں میں ہے، کیونکہ اس کے خزانے کاف نون (کن) کے درمیان ہیں۔“

بندے کو اپنے اعمال کا ہی بدلہ ملے گا:

ہر شخص اپنے اچھے برے اعمال کا خود ہی ذمہ دار ہے۔ اسے ہر طرح کے اعمال سرانجام دینے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اس کے تمام اعمال منضبط کیے جاتے ہیں، ان اعمال کے مطابق ہی انسان کو بدلہ دیا جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۖ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۖ﴾ [الزلزال: ۸۰۷]

”تو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ﴾ [آل عمران: ۳۰]

”جس دن ہر شخص اپنے کیے ہوئے اچھے عمل کو اور اپنے کیے ہوئے برے عمل کو اپنے سامنے پائے گا۔“

یہاں عیب سے نقص کی بجائے خوبی اور تعریف مراد ہے۔ علماء کا یہ بھی کہنا ہے کہ حدیث میں ما نقص ذلك مما عندی الا كما ينقص المخطی سے مراد ما نقص ذلك مما عندی و ما كما ينقص المخطی ہے، یعنی الا كما ينقص میں الا عطف کے لیے ہے اور واو (اور) کا معنی دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خزانوں میں اتنی بھی کمی نہیں آتی جتنی ایک سوئی کے سمندر میں ڈبونے سے آتی ہے۔ درج ذیل دو آیات کریمہ میں لفظ الا اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

﴿لَعَلَّآ يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَىٰكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾

[البقرة: ۱۵۰]

”تا کہ تمہارے خلاف لوگوں کے لیے کوئی حجت نہ رہے۔“

ہاں، ان میں سے جنہوں نے ظلم کیا۔“

﴿إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَتِي الْمُرْسَلُونَ ۚ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

[العنكبوت: ۱۱، ۱۰]

”یقیناً میرے پاس رسول ڈر نہیں کرتے مگر جس نے ظلم کیا،

پھر اس نے برائی کے بعد (برے اعمال کو) بدل کر نیکی کی تو

یقیناً میں بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہوں۔“

یہاں الا الذين ظلموا سے ولا الذين ظلموا اور الا من ظلم سے ولا من ظلم مراد ہے۔

جو ہستی کن فیكون کی مالک ہو اس کے خزانوں میں کیونکر کمی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ اللہ ہی کی شان ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾ [یس: ۸۲، ۸۳]

”جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ

ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ تو

پاک ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے

﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يُوْتَلَتْنَا مَالٌ هَذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا وَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ [الكهف: ۴۹]

”اور عمل نامہ رکھ دیا جائے گا تو آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی! کیسا ہے عمل نامہ جو نہیں چھوڑ رہا کسی چھوٹے اور نہ بڑے (عمل) کو مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے اور انھوں نے جو اعمال کیے تھے حاضر پائیں گے۔ اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔“

﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾

[المجادلة: ۶]

”جس دن اللہ ان سب کو اٹھائے گا (زندہ کرے گا)، پھر انھیں بتائے گا جو انھوں نے عمل کیے، اللہ نے ان (اعمال) کو گن رکھا ہے جب کہ وہ انھیں بھول گئے، اور اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔“

﴿وَكُلُّ إِنْسَانٍ لَّزِمْنَهُ طَبْعًا فِي عُنُقِهِ وَنُخِرْ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا اِذَا كُتِبَ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا﴾

[بنی اسرائیل: ۱۳، ۱۴]

”اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نامہ) اس کی گردن سے چمٹا دیا ہے اور قیامت کے دن اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس سے وہ ملے گا جب کہ وہ کھلی ہوگی۔ (کہا جائے گا) اپنا اعمال نامہ پڑھ، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے والا کافی ہے۔“

﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ۚ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ۚ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ﴾

[النجم: ۳۹-۴۱]

”اور یہ کہ انسان کے لیے بس وہی کچھ ہے جس کی اس نے سعی کی اور بلاشبہ اس کی سعی جلد دیکھی جائے گی۔ پھر اسے پوری پوری جزا دی جائے گی۔“

﴿وَأَنَّمَا تُوفَّوْنَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾

[آل عمران: ۱۸۵]

”قیامت کے دن تمہیں پورے پورے اجر دیے جائیں گے۔“

﴿لَيْسَ بِأَمَانِيَّتِكُمْ وَلَا أَمَانِيَّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ [النساء: ۱۲۳]

”(انجام کا دار و مدار) نہ تمہاری خواہشات پر ہے نہ اہل کتاب کی خواہشات پر، بلکہ جو کوئی برا عمل کرے گا اس کا اسے بدلہ دیا جائے گا۔“

دنیا میں عذاب اور آخرت کی سختیاں انسانوں کے اعمال کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں اور شکر گزاروں کو عذاب نہیں دیتا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ [النساء: ۱۴۷]

”اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ تو اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ بڑا قدر دان، خوب جاننے والا ہے۔“

خیر پر اللہ کی تعریف اور شکر پر اپنی ملامت:

خیر اور نعمت ملنے پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرنی چاہیے، فخر و مباہات کا اظہار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اچھائی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ اگر کوئی نعمت ملتی ہے تو وہ بھی اللہ ہی کی طرف سے بلا استحقاق ملتی ہے۔ برائی سے بچنے کی توفیق بھی اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ کا بھی یہی پیغام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز میں فرماتے ہیں:

﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَفْسِكَ﴾ [النساء: ۷۹]

”(انسان!) تجھے جو بھی بھلائی ملے اللہ کی طرف سے ہے، اور تجھے جو بھی تکلیف پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔“

کھانے پینے، نیند سے بیدار ہونے اور تمام حالات میں الحمد للہ کہنے میں اسی بات کا اعلان کیا جاتا ہے کہ تمام قسم کی تعریفات کا مستحق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اہل جنت بھی نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کریں گے، چنانچہ وہ کہیں گے:

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ﴾ [الأعراف: ۴۳]

”سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں یہ راستہ دکھایا، اور اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی تو ہرگز ایسے نہ تھے کہ ہدایت پاتے۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ۝ وَالَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمَقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ ۝﴾

[فاطر: ۳۴، ۳۵]

”اور وہ کہیں گے: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہم سے غم دور کیا، یقیناً ہمارا رب بہت بخشنے والا، خوب قدر دان ہے۔ جس نے اپنے فضل سے ہمیں ہمیشہ رہنے کے گھر میں اتارا، اس میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور نہ اس میں ہمیں کوئی تھکاوٹ ہی پہنچتی ہے۔“

دنیا میں اگر کسی پر سختی آئے یا وہ کسی شرکاء مرتکب ہو جائے تو وہ اپنے آپ کو ہی مورد الزام ٹھہرائے، اور استغفار و توبہ کرے، کیونکہ یہ شر اس کے شامتِ اعمال کی وجہ سے ہے۔ (تاہم آزمائش اور ابتلاء کے پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔) اس سلسلے کی چند آیات ملاحظہ کریں:

﴿وَلَنُنْذِرَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَى دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾ [السجدة: ۲۱]

”اور ہم بڑے عذاب سے پہلے انہیں (دنیا کا) چھوٹا عذاب

ضرور چکھائیں گے، شاید وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔“
﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝﴾ [الروم: ۴۱]

”خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے فساد برپا ہو گیا ہے، تاکہ اللہ انہیں ان کے بعض اعمال، جو انہوں نے کیے، (کا مزہ) چکھائے، تاکہ وہ رجوع کریں (باز آجائیں)۔“

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۝﴾ [الشوری: ۳۰]

”اور تمہیں جو بھی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کی وجہ سے ہے، اور بہت سی باتوں سے تو وہ درگزر ہی کر لیتا ہے۔“

لہذا خیر سے محروم شخص اپنے آپ کو ہی اس محرومی کا باعث قرار دے، اور شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہ کرے۔

آخرت میں حسرت و یاس اور پشیمانی کا شکار وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہ کیا بلکہ شیطانی راہوں کی پیروی کرتے رہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقِّ ۖ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تُلْهُمُونِي ۖ وَلَوْ مَوَّاهُ أَنْفُسُكُمْ ۝﴾ [ابراہیم: ۲۲]

”اور جب معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: یقیناً اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اس کی میں نے خلاف ورزی کی، اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمہیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی، چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔“

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُسَادُّونَ لِمَقْتِ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ﴾ [المؤمن: ۱۰]

”یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، ان سے پکار کر کہا جائے گا: اللہ کی ناراضی و بیزاری (آج) تمہاری اپنے آپ پر ناراضی و بیزاری سے بڑھ کر تھی، جب (دنیا میں) تمہیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے۔“

فقہ الحدیث:

۱: حدیث قدسی میں الفاظ کی نسبت اللہ القدوس کی طرف ہوتی

ہے۔ (الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ہی ہوتے ہیں۔)

۲: اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بہت محبت ہے وہ انہیں بار بار یا عبادی (میرے بندو!) کہہ کر آواز دیتا ہے۔

۳: ہر قسم کا ظلم حرام ہے۔

۴: شرک بھی ظلم ہے۔

۵: اللہ تعالیٰ ظلم کرنے سے پاک ہے (اللہ اپنا فضل ضرور کرتا ہے۔)

اس کا ہر کام عدل و حکمت پر مبنی ہے۔

۶: ظالموں کی نیکیاں ان کے ظلم کے بقدر تباہ و برباد ہو جائیں گی۔

۷: ظالم کو مہلت ملنا مظلوم بلکہ خود ظالم کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔

۸: اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ نفس استعمال کیا جاسکتا ہے۔ (حدیث زیر بحث میں اس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔)

۹: فطری ہدایت کافی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کی اتباع بھی لازم ہے۔

۱۰: ہدایت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ہدایت اسی سے مانگنی چاہیے۔

۱۱: ہدایت یافتہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے ہدایت مانگیں تاکہ وہ مکمل ہدایت پر عمل پیرا ہو کہ استقامت اختیار کریں۔

۱۲: رازق اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا اسی سے رزق طلب کیا جائے۔

۱۳: لباس عطا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ لہذا لباس بھی اسی سے

مانگا جائے۔

۱۴: لباس پہننا بندگی اور انسانیت ہے۔ (عربانی فطرت انسانی اور شرم و حیا کے منافی ہے۔)

۱۵: لباس کے استعمال میں اسراف اور تکبر کا عنصر شامل نہیں ہونا چاہیے۔

۱۶: عمدہ لباس زہد و تقویٰ کے تقاضوں سے متصادم نہیں۔

۱۷: تمام گناہوں میں بلاتا خیر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

۱۸: توبہ کی شرائط مکمل ہوں تو شرک سمیت سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (تاہم آخرت میں شرک کو اگر توبہ نہ کرے تو معاف نہیں کیا جائے گا۔)

۱۹: جس کے گناہ نہ ہوں اسے بھی بکثرت توبہ واستغفار کرتے رہنا چاہیے۔

۲۰: نافع و ضار اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

۲۱: کسی کے اختیار میں نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نفع یا نقصان پہنچا سکے۔

۲۲: اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں کمی واقع نہیں ہوتی۔ (اس سے مانگنے میں کجوسی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔)

۲۳: ہر شخص کو اس کے اپنے اعمال کا ہی صلہ دیا جائے گا۔

۲۴: حصول خیر پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنی چاہیے۔

۲۵: شر کے ارتکاب پر اپنے آپ کو ہی قصور وار اور مورد الزام ٹھہرانا چاہیے۔

۲۶: شر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں کرنی چاہیے۔

۲۷: شر پر قائم رہنا عبدیت (بندگی) کے تقاضوں کے منافی ہے۔

۲۸: تمام بندوں کے اعمال کا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے۔

۲۹: اخروی محاسبے سے پہلے پہلے انسان کو اپنے آپ کا محاسبہ کر لینا چاہیے۔

۳۰: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

۳۱: ہر کوئی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

۳۲: اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر خیر و شر میں امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔

۳۳: فسق و فجور اور زہد و تقویٰ کا مرکز دل ہے۔ (اعمال کی اصلاح و بگاڑ کا دار و مدار دل کی اصلاح و بگاڑ پر ہے۔)

تحریک استشراق، ایک تعارف

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

تہذیبوں، معاشروں، ماضی اور حال کے بارے میں بتلاتا ہے۔“

ڈاکٹر احمد عبدالرحیم السابح 'استشراق' کو ایک ایسی آئیڈیالوجی قرار دیتے ہیں، جس کا مقصد اسلام کے بارے میں پہلے سے طے شدہ کچھ خاص قسم کے تصورات کو رائج کرنا ہے، نہ کہ کسی تحریک علم و فضل میں شرکت و معاونت؛ وہ لکھتے ہیں:

ولكن يمكن القول إن الاستشراق في دراسته للإسلام ليس علما بأي مقياس علمي، وإنما هو عبارة عن أيديولوجية خاصة يراد من خلالها ترويج تصورات معينة عن الإسلام، بصرف النظر عما إذا كانت هذه التصورات قائمة على حقائق أو مرتكزة على أو هام وافتراءات. (الاستشراق في ميزان نقد الفكر الإسلامي، ص: ۱۵ ڈاکٹر احمد عبدالرحیم السابح)

”یہ کہنا درست ہے کہ 'استشراق' اسلام کے مطالعہ کے دوران کسی بھی اعتبار سے کوئی علم نہیں کہلا سکتا، بلکہ یہ ایک خاص قسم کی آئیڈیالوجی ہے جس کا مقصد اسلام کے بارے میں کچھ خاص قسم کے تصورات کی نشر و اشاعت ہے، چاہے اسلام کے بارے میں وہ قائم کیے گئے تصورات حقائق پر مبنی ہوں یا اوہام اور جھوٹ پر۔“

'استشراق' کا انگریزی ترجمہ 'Orientalism' کیا جاتا ہے۔ لاطینی زبان میں 'Orient' کا لفظ کسی شے کے بارے میں تحقیق کرنے یا

استشراق؛ معنی و مفہوم:

لفظ استشراق کا مادہ 'ش'، ر'ق' ہے اور یہ باب استفعال سے مصدر ہے۔ باب استفعال کے خاصہ 'طلب' کی وجہ سے اس میں حرف 'س' طلب کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا اردو ترجمہ 'شرق شناسی' کیا گیا ہے۔ (تکلمہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: ۵۶۵/۱ پروفیسر محمد اکرم چوہدری)

عام الفاظ میں استشراق سے مراد 'مشرق کو جانے کی طلب یا خواہش رکھنا' ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان نے استشراق کی تعریف کچھ یوں کی ہے:

فالاستشراق إذن هي دراسة الغربيين عن الشرق من ناحية عقائده أو تاريخه أو آدابه إلى غير ذلك. (آراء المستشرقين حول القرآن الكريم وتفسيره، ص: ۲۳، ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان)

”پس استشراق سے مراد اہل مغرب کا مشرق کے عقائد، تاریخ اور فنون وغیرہ کا مطالعہ کرنا ہے۔“

استاذ فاروق عمر فوزی استشراق کا معنی و مفہوم متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

علم يدرس لغات شعوب الشرق و تراثهم و حضاراتهم و مجتمعاتهم و ماضيهم و حاضريهم. (الاستشراق التاريخ الإسلامي، ص: ۳۰ ڈاکٹر فاروق عمر فوزی)

”استشراق ایک ایسا علم ہے جو مشرق کی زبانوں، علمی ورثہ،

عرب یا عربی زبان و ادب میں رسوخ رکھتا ہو۔“

استغراب:

’استشراق‘ کے مضادات میں سے ایک اہم اصطلاح ’استغراب‘ کی ہے۔ اس کا لغوی معنی ’حیرت‘ ہے۔ (دارالعلم للملایین، ص: ۹۵ ڈاکٹر منیر روحی)

ڈاکٹر احمد سامیلفیتش ’استغراب‘ کا اصطلاحی معنی متعین کرتے ہوئے کہتے ہیں:

يمكن القول أن كلمة الاستغراب مأخوذة من كلمة غرب وكلمة غرب تعني أصلاً مغرب الشمس وبناء على هذا يكون الاستغراب هو علم الغرب ومن هنا يمكن كذلك تحديد كلمة المستغرب وهو الذي تبحر من أهل الشرق في إحدى لغات الغرب وآدابها وحضارتها. (فلسفة الاستشراق وأثرها في الأدب العربي المعاصر، ص: ۳۷ ڈاکٹر سمایلو فیتش)

”یہ کہنا درست ہے کہ ’استغراب‘ کا لفظ ’غرب‘ سے ماخوذ ہے اور ’غرب‘ سے مراد سورج غروب ہونے کی جگہ ہے۔ اسی بنیاد پر ’استغراب‘ کا معنی مغرب کے بارے میں جان کاری ہے۔ یہیں سے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ’مستغرب‘ وہ ہے جو کسی مغربی زبان، فن اور تہذیب کے بارے میں رسوخ رکھتا ہو۔“

مستشرق کا معنی و مفہوم:

استشراق کا لفظ عربی زبان میں ’مولد‘ ہے۔ اس سے اسم فاعل کا صیغہ ’مستشرق‘ بنتا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ ’Orientalist‘ کیا جاتا ہے، جب کہ محققین کے نزدیک Orientalist ’مستشرق‘ کا ترجمہ نہیں ہے، بلکہ یہ ’عالم مشرقیات‘ کا ترجمہ ہے۔ اسحاق مویٰ الحوینی کا کہنا تو یہ ہے کہ ’مستشرق‘ کوئی لفظ نہیں ہے، بلکہ اصل لفظ ’عالم

سیکھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، جب کہ جرمنی میں ’Sich Orientieren‘ کا معنی کسی شے کے بارے معلومات جمع کرنا ہے۔ اسی طرح فرانسیسی میں ’Orienter‘ کا معنی راہنمائی کرنا ہے، جب کہ انگریزی ہی میں ’Orientate‘ کا معنی اپنے حواس کو کسی خاص سمت میں لگا دینا ہے۔ (الاستشراق ومنهجية النقد عند المسلمين المعاصرين، الاجتهاد، ص: ۱۹۷ سید محمد شاہد)

خلاصہ کلام کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کلمہ ’استشراق‘ اپنے پہلے استعمال سے معاصر استعمال تک مختلف ادوار سے گزرا ہے اور اس کے اساسی مفہوم میں مشرقی لغات اور فنون میں رسوخ جوہری عنصر کے طور پر شامل رہا ہے۔

استغراب:

بعض اوقات ایک اصطلاح کا معنی و مفہوم اس کے مترادفات اور متضادات کے مطالعہ سے مزید نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ ’استشراق‘ کے مترادفات میں سے ایک اہم اصطلاح ’استغراب‘ کی ہے جس کا لغوی معنی ’عرب بننا‘ ہے۔ (مجموعة من علماء، المعجم الوسيط: ۵۹۱/۲ دارالدعوة، القاهرة)

منیر روحی بعلبکی ’استغراب‘ کی اصطلاحی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فهو علم يختص بدراسة حياة العرب وما يتعلق بهم من حضارة وآداب ولغة وتاريخ وفلسفات وأديان وأما المستعرب فهو عالم ثقة فني كل ما يتصل بالعرب وبلاد العرب أو باللغة العربية والأدب العربي .

(أسماء المستشرقين، ص: ۲۰ یحییٰ مراد)

”استغراب سے مراد وہ علم ہے جو عربوں کی زندگی، تہذیب، فنون، لغت، تاریخ، فلسفہ اور مذاہب کے مطالعہ کے ساتھ مخصوص ہو..... اور مستعرب اسے کہتے ہیں جو بلاد

بہ عنوان 'المؤتمرات العالمية للدراسات الآسيوية والشمال أفريقية' منعقد ہوئی، جس میں اصطلاح سے جان چھڑانے کا اتفاقی فیصلہ صادر ہوا اور 'مستشرقین' یا 'اسلامیوں' یا 'باحثون في العلوم الانسانية' یا Asian Study وغیرہ جیسی اصطلاحات استعمال کرنے پر اتفاق ہوا۔

اطالوی نژاد امریکی مستشرق John L Esposito کا کہنا ہے کہ اسے یہ بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ اسے Orientalist کے نام سے پکارا جائے، بلکہ وہ اپنے آپ کو Islamist کہلوانا پسند کرتا ہے۔ (الاستشراق والدراسات الإسلامية، ص: ۱۳۲)

تحریک استشراق کا تاریخی پس منظر:

تحریک 'استشراق' کا لفظ آغاز کیا ہے، اس بارے میں مسلمان علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ استشراق کا آغاز ۸ ہجری میں غزوہ موتہ سے ہوا ہے، جب مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین پہلی باقاعدہ جنگ لڑی گئی۔ جب کہ بعض دوسرے اہل علم کی رائے میں 'استشراق' کا باقاعدہ آغاز آٹھویں صدی عیسوی میں اندلس کی فتح کے بعد ہوا جب یورپ سے نوجوان اندلس کی اسلامی سلطنت کی معروف جامعات میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔

(الاستشراق الإسرائيلي في المصادر العبرية، ص: ۱۹)

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی رائے میں بھی 'تحریک استشراق' کا آغاز ان یورپین راہبوں سے ہوا جنہوں نے مشرقی علوم و فنون کے حصول کی خاطر اندلس کا سفر کیا۔ ان راہبوں میں جریرت آف اورل لیک (۱۰۰۳-۹۴۶ء) جو بعد ازاں سلفستر ثانی کے نام سے پوپ کے عہدے پر فائز ہوا، بھی شامل ہے۔ پطرس الحترم (۱۱۵۶-۱۰۹۲ء) جو اندلس تعلیم حاصل کر کے فرانس واپس آیا اور مسلمان علماء سے مجادلہ و مناظرہ کرنے لگا، نے بھی اس بارے میں کتابیں لکھیں۔ اسی طرح ریمینڈ مارٹن (۱۲۸۴-۱۲۳۰ء) بھی ان راہبوں میں شامل تھا اور اس نے مسلمان علماء سے علم الکلام سیکھنے کے بعد 'خنجر الایمان' کے نام سے مسلمانوں اور یہود کے رد میں کتاب لکھی۔ انھی راہبان میں ریمینڈ

مشرقیات ہے، لیکن چونکہ اس لفظ کا استعمال بہت عام ہو چکا ہے لہذا اس پہلو سے اسے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (الاستشراق بین الحقيقة والتضليل، ص: ۹، ۱۰ ڈاکٹر اسماعیل محمد بن علی)

ڈاکٹر اسماعیل محمد بن علی کا کہنا یہ ہے کہ اس بات پر تقریباً اتفاق ہے کہ 'مستشرق' وہ ہے جو مغربی اسکالر ہو، چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، لیکن نجیب عقیقی نے بعض مشرقی علماء کو بھی مستشرقین میں شمار کیا ہے۔

(الاستشراق بین الحقيقة والتضليل، ص: ۱۳)

ڈاکٹر علی بن ابراہیم نملہ نے ڈاکٹر عمر فروخ پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ 'مستشرق' کو مغرب کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں ہے بلکہ مشرق میں رہنے والے مشرقی علوم کے ماہر عربی النسل اور عجمی یہود و نصاریٰ بھی مستشرقین میں شامل ہو سکتے ہیں۔ (الاستشراق ولادراستا الإسلامية، ص: ۱۲۴ علی بن ابراہیم النملہ) اور یہی رائے درست معلوم ہوتی ہے۔

آرتھر جان آربری (م ۱۹۶۹ء) کے مطابق ۱۶۳۰ء میں پہلی دفعہ لفظ 'مستشرق' یونانی عیسائی کلیسا کے ایک پادری کے لیے استعمال ہوا۔ میکسم رودنس (م ۲۰۰۴ء) کے مطابق یہ لفظ ۱۷۹۹ء میں فرینچ اور ۱۸۳۸ء میں انگریزی زبان میں استعمال ہوا۔ ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کا کہنا ہے کہ انگریزی زبان میں Orientalist کے لفظ کا پہلی دفعہ ۱۷۹۹ء میں استعمال ہوا۔ (آراء المستشرقین حول القرآن الکریم و تفسیرہ، ص: ۲۳)

بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ۱۶۹۱ء میں 'صموئیل کلارک' (م ۱۷۲۹ء) نے 'نہونی وڈ' (۱۶۴۳ء) کو 'استشراق' کا نام دیا۔

(الاستشراق بین الحقيقة والتضليل، ص: ۱۹)

بیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں عالم اسلام میں تحریک استشراق اور مستشرقین کی جو خبر لی گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اب مستشرقین اپنے لیے 'مستشرق' یا Orientalist کہلوانا پسند نہیں کرتے ہیں۔ ۱۹۷۳ء میں پیرس میں مستشرقین کی ایک عالمی کانفرنس

اولی (۱۳۱۴-۱۳۳۵ء) بھی شامل ہے۔

(المستشرقون: ۱۱۰-۱۲۴)

معروف اٹلش اسکالر راجر بیکن (۱۲۹۴-۱۳۱۴ء) نے مسیحی دنیا میں اضافے کے لیے عیسائی بنانے کی تحریک 'تحریک تنصیر' کو بہترین لائحہ عمل قرار دیا اور اس عمل کے لیے اسلامی لغات کی معرفت کو لازمی شرط قرار دیا۔ (الاستشراق والغارة على الفكر الإسلامی، ص: ۱۴) پندرھویں کیتھولک کونسل 'کونسل آف ویانا' نے راجر بیکن کے ان افکار کی بدولت ۱۳۱۲-۱۳۱۱ء میں پانچ یورپین جامعات میں عربی زبان کی چیئرز قائم کیں جن میں پیرس، آکسفورڈ، بولونیا، سلینکا اور بابویہ کی یونیورسٹیاں شامل ہیں۔ (ایضاً، ص: ۱۵)

یہی وجہ ہے کہ بعض اہل علم کا خیال ہے کہ 'استشراق' کا آغاز 'کونسل آف ویانا' میں منظور کردہ ایک قرار داد سے ہوا کہ جس کے مطابق کئی ایک یورپین جامعات میں عربی زبان کی چیئرز قائم کرنے کا فیصلہ صادر ہوا۔ (ایضاً، ص: ۱۵)

بعض کے بقول اس کا آغاز بارھویں صدی عیسوی میں اس وقت ہوا، جب کہ پہلی دفعی قرآن مجید کا ترجمہ ۱۱۴۳ء میں لاطینی میں ہوا۔ (ایضاً)

بعض اہل علم نے صلیبی جنگوں کو تحریک 'استشراق' کا نقطہ آغاز قرار دیا ہے، جب مسیحی دنیا نے بیت المقدس میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ان کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی طرف توجہ دی۔ معاصر امریکی مستشرق برنارڈ لیوس (پیدائش ۱۹۱۶ء) نے اس خیال کی تردید کی ہے کہ یورپی اور اسلامی ثقافت کا پہلا اختلاط صلیبی جنگوں کی صورت میں پیش آیا۔ (ایضاً، ص: ۱۷)

لہذا صلیبی جنگوں کو تحریک استشراق کا نقطہ آغاز قرار دینا درست نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد عبداللہ الشرفاوی کا کہنا یہ ہے کہ نارمن دانیال کی کتاب Western Islam and The West اور ساتھرن کی کتاب Views of Islam in the Middle Ages اس پر شاہد

ہیں کہ استشراق کی ولادت مغربی رومن چرچ میں ہوئی۔ (الاستشراق والغارة على الفكر الإسلامی، ص: ۱۱ ڈاکٹر محمد عبداللہ الشرفاوی)

ڈاکٹر عمر بن ابراہیم رضوان کے بقول 'استشراق' تحریک تنصیر (مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی تحریک) کی گود میں پیدا ہوا؛ مغربی استعمار کی گود میں پلا بڑھا اور مغربی تعلیمی اداروں نے اسے ایک تحریک بنادیا۔ (آراء المستشرقین حول القرآن الکریم وتفسیرہ، ص: ۳۸)

خالد ابراہیم الحجوبی نے استشراق کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے: پہلا مرحلہ صلیبی جنگوں کا تھا کہ جس میں مسلمانوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے مشرق کے بارے معلومات حاصل کرنے کے لیے کئی ایک مہمیں بھیجیں گئیں؛ دوسرے مرحلے کا آغاز ان جنگوں میں عیسائیوں کی ناکامی سے شروع ہوا کہ اب مشرقی علوم و فنون کے حصول کی طرف توجہ دی گئی تاکہ مشرق کو شکست دی جاسکے؛ تیسرا مرحلہ اٹھارویں صدی کے نصف سے لے کر دوسری جنگ عظیم کے خاتمہ تک ہے جو استشراق کی تنظیم و تحریک کا مرحلہ ہے؛ چوتھا مرحلہ دوسری جنگ عظیم کے بعد کا ہے۔ (الاستشراق والإسلام، ص: ۲۰، ۱۹)

بعض علماء کا خیال ہے کہ استشراق کسی بھی اعتبار سے کوئی علمی تحریک نہیں ہے، بلکہ یہ اسلام کے بارے ایک طے شدہ آئیڈیالوجی ہے کہ جس کی ترویج مقصود ہے، چاہے وہ حقائق پر مبنی ہو یا جھوٹ پر۔ (الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة، ص: ۱۳ محمد جلاء إدريس)

۱۹ویں صدی کے اخیر میں مستشرقین کی پہلی کانفرنس پیرس میں ۱۸۷۳ء میں منعقد ہوئی۔ (الاستشراق بین الحقيقة والتضليل، ص: ۲۵)

بعض اہل علم نے تحریک 'استشراق' کے آغاز کے بارے میں اس اختلاف کو اختلاف تنوع قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ مختلف اہل علم نے متفرق ممالک کے اعتبار سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور مختلف

تعلقات قائم ہوئے اور یہی واقعہ مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون سے اہل روس کی واقفیت کی بنیاد بنا۔ تیرھویں صدی عیسوی میں منگولوں نے اسلام کا ایک بڑا اور شروس میں چھوڑا۔

(ایضاً، ص: ۷۳-۷۸)

امریکی استشراق کے ڈانڈے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کی مشنری عیسائی تحریکوں 'تحریک تنصیر' اور 'تحریک تبشیر' سے جاملتے ہیں۔ شروع میں امریکی استشراق کے بنیادی مقاصد 'تبشیری تحریک' کے تابع تھے، جبکہ بعد ازاں مسلم دنیا میں امریکی اثر و نفوذ کے سیاسی ہدف کی تکمیل اس تحریک کا اولین مقصد ڈھہری۔

(الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة، ص: ۸۰)

تحریک استشراق کے اسباب و محرکات:

تحریک استشراق کے اسباب و محرکات کو کئی اعتبارات سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ذیل میں ہم اس تحریک کے چند ایک اہم محرکات کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

طبعی محرکات:

دوسروں کے مذاہب، افکار، معاشرت اور اقتصادیات کے بارے میں جاننے کی ایک فطری خواہش تقریباً ہر انسان میں موجود ہے۔ تحریک استشراق کے محرکات میں سے ایک اہم محرک یہی فطری خواہش تھی کہ جس نے اہل مغرب کو مشرق، مشرقی تہذیب اور مشرقی علوم و فنون کے بارے میں جاننے کے لیے ابھارا۔ (آراء المستشرقین

حول القرآن الکریم و تفسیرہ، ص: ۲۹)

تاریخی محرکات:

مشرق و مغرب کے مابین تعلقات زمانہ قدیم سے چلے آ رہے ہیں۔ ان کے مابین وقتاً فوقتاً فکری مکالمہ اور عسکری مہم جوئی ہوتی رہی ہے۔ یہ فکری و عسکری نزاع بھی اہل مغرب کے لیے ایک اہم محرک بنا ہے کہ وہ مشرق کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جان کاری حاصل کریں یا اس کے لیے کوشش کریں۔ (ایضاً، ص: ۳۰)

علاقوں کے اعتبار سے مشرقی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی طرف رغبت و میلان کی تاریخ اور وجوہات میں فرق ممکن ہے۔

مثلاً فرانس میں بارہویں صدی عیسوی ہی میں عربی زبان و ثقافت کی طرف رجحان پیدا ہوا۔ یورپ 'آزری اس' چہارم نے مشرقی لغات کی تعلیم کے لیے ۱۲۸۵ء میں ایک انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی۔

(الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة، ص: ۶۹)
انگلینڈ میں 'مستشرق' کے لفظ کا استعمال تقریباً ۱۷۷۹ء میں اور فرانس میں ۱۷۹۹ء شروع ہوا۔ ایک فرانسیسی ڈکشنری میں اس لفظ کا استعمال ہمیں ۱۸۳۸ء میں ملتا ہے۔

(الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل، ص: ۲۰)

اطالوی مکتب فکر کی بنیاد اس وقت پڑی، جبکہ مسلم سپہ سالار عبداللہ بن موسیٰ بن نصیر نے ۷۰۸ء میں اٹلی کو فتح کیا۔

برطانیہ سے اہل علم کی جماعت نے اندلس کا رخ کیا، جن میں قاضی تھامس براؤن (م ۱۶۸۲ء) اور راجر بیکن وغیرہ شامل ہیں۔ ۱۹۳۲ء میں کیمبرج یونیورسٹی میں عربی زبان کے لیے ایک خصوصی چیئر قائم کی گئی۔ اس کے بعد آکسفورڈ میں بھی اٹھارویں صدی عیسوی میں عربی زبان کی چیئر قائم کی گئی۔ (الاستشراق الإسرائیلی فی المصادر العبریة، ص: ۷۲)

جرمنی میں 'استشراق' کا نقطہ آغاز دوسرے صلیبی حملے کے دوران ۱۱۴۹ء-۱۱۵۷ء کو قرار دیا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی عیسوی میں جرمن نے مشرقی علوم و فنون کی طرف باقاعدہ توجہ دی۔

مستشرقین کے ہسپانوی مکتب فکر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جب سے مسلمانوں نے سپین کو فتح کیا، اس وقت سے وہ یورپ میں علوم اسلامیہ و عربیہ کا مرکز رہا۔ پاسکوال جے اینگلس (۱۸۹۷ء-۱۸۰۹ء) سپین میں تحریک استشراق کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔ ہالینڈ میں لائیڈن یونیورسٹی میں ۱۵۹۹ء میں علوم اسلامیہ کی چیئر قائم کی گئی۔ روسی مکتب فکر کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ عباسی خلافت کے اولین دور میں مسلمانوں کے عراق کے رستے روس سے تجارتی

دینی محرکات:

چرچ اور اس کے متولیوں میں سے ایک بڑی تعداد نے اسلام کا چہرہ مسخ کرنے کے لیے اور اس سے متعلق حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے مشرقی علوم و فنون کی طرف توجہ دی۔ علاوہ ازیں اس تحریک کے دینی محرکات میں عیسائی عوام کی اسلام کی طرف رغبت کو روکنا اور مسلمانوں کو عیسائی بنانا بھی شامل تھا۔ اسی طرح مصادر اسلامیہ یعنی کتاب و سنت میں تشکیک پیدا کرنے میں یہودی مستشرقین کی ایک جماعت نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان یہودی مستشرقین میں گولڈ زیہر (۱۹۲۱ء-۱۸۵۰ء)، نولڈ کے (۱۹۳۰ء-۱۸۳۶ء)، رچرڈ بیل (۱۹۷۶ء-۱۹۵۲ء)، بلاشیر (۱۹۷۳ء-۱۹۰۰ء) اور ول ہاؤزن (۱۹۱۸ء-۱۸۴۲ء) وغیرہ شامل ہیں۔

استعماری محرکات:

انیسویں صدی عیسوی میں تقریباً تمام عالم اسلام مغربی استعمار کا حصہ بن گیا۔ مشرق پر اپنے غلبہ کو برقرار رکھنے کے لیے حاکم قوتوں نے مشرق کے علوم و فنون اور تاریخ و لغات کی طرف خصوصی توجہ دی تاکہ غلام قوم کی نفسیات و زبان جانتے ہوئے اس سے بہتر انداز میں کام لیا جاسکے۔ جرمن مستشرق کارل ہانزک بیکر (۱۹۳۳ء-۱۸۷۶ء) افریقہ میں جرمن استعمار کی خاطر ۱۸۸۶ء-۱۸۸۵ء میں خدمات سرانجام دیتا رہا۔ مستشرق کرسٹیان سنک ہرگرائش (۱۸۵۷ء-۱۹۳۶ء) ۱۸۸۵ء میں ہالینڈ کی حکومت کی طرف سے مکہ میں عبدالغفار کے نام سے اپنی خدمات پیش کرتا رہا اور بعد ازاں انڈونیشیا میں بھی رہا۔ (آراء المستشرقین حول القرآن الكريم و تفسیره، ص: ۳۵)

علمی محرکات:

مستشرقین کی ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے مشرقی علوم کی طرف متوجہ ہوئی۔ یہ اگرچہ اپنے کام میں تو مخلص ہیں، لیکن اپنی تحقیقات کے نتائج میں انھوں نے بھی بعض مقامات پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ ایسا تو عربی زبان میں رسوخ نہ ہونے

کے سبب سے ہوا یا پھر مغربی معاشروں میں اسلام کے بارے رائج عام تصورات سے متاثر ہونے کے سبب سے۔ ان میں فرانسیسی مستشرق مورس باکائے (۱۹۹۸ء-۱۹۲۰ء) اور عبدالکریم جرمینس (۱۹۷۹ء-۱۸۸۴ء) وغیرہ شامل ہیں۔ (ایضاً، ص: ۳۶، ۳۷) اسی محرک کے تحت فلکیات، جغرافیہ، تاریخ، طب، ریاضی اور فلسفہ سے متعلق سینکڑوں کتب کو ایڈٹ کر کے شائع کیا گیا اور ان کے تراجم عربی سے یورپین زبان میں کیے گئے تاکہ مسلمانوں کے علوم و فنون کی روشنیوں سے یورپ کی جہالت کی تاریکیوں کو دور کیا جاسکے۔

تحریک استشراق کے اہداف و مقاصد:

مستشرقین نے مشرقی علوم و فنون کے حصول کی خاطر اپنی زندگیاں کیوں کھپا دیں؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ بلاشبہ اگر یہی مستشرقین مغربی علوم و فنون کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے، تو نسبتاً زیادہ مالی یا معاشرتی فوائد اور شہرت حاصل کر سکتے تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے اپنی زندگیوں کو مشرقی علوم و فنون کے لیے وقف کر دیا۔

مسلمان اہل علم نے تحریک استشراق کے کئی ایک اہداف و مقاصد بیان کیے ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

دین اسلام کی تعلیمات اور تصویر کو مسخ کرنا:

جرمن مستشرق روڈی پارٹ (۱۹۸۳ء-۱۹۰۱ء) کا کہنا ہے کہ معاصر استشراقی جدوجہد کا مقصود دین اسلام کو باطل دین ثابت کرنا اور مسلمانوں کو دین مسیحیت کی طرف راغب کرنا ہے۔

(الاستشراق الإسرائيلي فی المصادر العبریة، ص: ۲۴) روڈی پارٹ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد علوم اسلامیہ کی طرف اس لیے متوجہ ہوئی کہ دین اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی شخصیت کو مسخ کر سکے، کیونکہ ان کا یہ ذہن بن چکا ہوا تھا کہ جو دین بھی مسیحیت کے خلاف ہے، اس میں کوئی خیر نہیں ہو سکتی۔ (الاستشراق بین الحقیقة والتضلیل، ص: ۲۸، ۲۹)

اسلام کے غلبے کا خوف:

مغرب میں اسلام کے پھیلاؤ کو روکنا اور عیسائیوں کو مسلمان ہونے سے بچانا بھی تحریک استشرق کے اہم مقاصد میں سے ہے۔ اس مقصد کے تحت مستشرقین کی ایک بڑی تعداد نے اپنی تحقیقات کے ذریعے مسلمانوں اور اسلام کے بارے اہل یورپ کے دلوں میں نفرت، بغض اور تعصب کو جنم دیا۔

برطانوی راہنما جلاستون نے ۱۸۸۲ء میں کہا تھا کہ جب تک قرآن موجود ہے، یورپ کے لیے مشرق کو مغلوب کرنا ممکن نہیں ہے، بلکہ قرآن کی موجودگی میں یورپ کے لیے اپنے آپ کو حالت امن میں محسوس کرنا بھی درست نہیں ہے۔

(الاستشرق بین الحقیقة والتضلیل، ص: ۵۸، ۵۹)

الجزائر میں متعین فرانسیسی گورنر کا کہنا یہ تھا کہ ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ان کے وجود سے قرآن مجید کو کھرچ ڈالیں اور ان کی زبانوں سے عربی زبان کو اکھیر دیں تو اسی صورت ہم صحیح معنوں میں ان سے بدلہ لے سکتے ہیں۔ (ایضاً، ص: ۵۹)

امریکی مستشرق برنارڈ لوئیس کو امریکی سیاست کا وفادار مستشرق مانا جاتا ہے۔ یہ صاحب عالم اسلام کو اس وقت مغرب اور مغربی تہذیب کے لیے ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں۔ (ایضاً، ص: ۷۴)

مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج:

مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے ان کے دین و عائد میں تشکیک پیدا کرنا بھی تحریک استشرق کا ایک اہم مقصد ہے۔ استاد عبدالرحمن میدان کا کہنا ہے کہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں علوم اسلامیہ اور علوم عربیہ کا تعلیمی نصاب، منہج اور طریق تدریس طے کرنے والے متعصب مستشرقین یا تنصیری ہیں۔ (أجنحة المکر الثلاثة، دارالقلم، ص: ۱۵۰ عبدالرحمن الميدانی)

جرمن مستشرق جوہان فک نے لکھا ہے کہ استشرق محض کوئی علمی تحریک نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصود اسلام کا رد اور مسلمانوں میں عیسائیت کی ترویج ہے۔ (الاستشرق بین الحقیقة والتضلیل،

ص: ۳۵)

اصلاح مذہب:

ابن رشد (۱۰۳۷-۹۸۰ء) کے فلسفے کے سبب سے اہل مغرب میں ہی ایک بڑی تعداد مصلحین کی پیدا ہو چکی تھی، جنہوں نے اپنے مذہب کی اصلاح کے لیے مسلمانوں کے علوم و فنون کی طرف توجہ دی۔ ایسے مصلحین کو عموماً مسیحی دنیا میں پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مارٹن لوتھر (۱۵۳۶-۱۶۴۳ء) وغیرہ پر اہل روم نے یہ تہمت لگائی کہ وہ مسیحی دین کو دین محمد ﷺ سے تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ (المستشرقون المعاصرون، ص: ۲۶، ۲۷ فاضل محمد عواد الكبیسی)

سیاسی مقاصد:

معروف برطانوی مستشرق ایڈورڈ لین (۱۸۷۶-۱۸۰۱ء) ۱۸۲۵ء میں مصر آیا اور ۱۰ سال یہاں قیام کیا۔ لندن واپسی پر اس نے ۱۸۳۶ء میں ایک کتاب 'أخلاق و عادات المصريين المعاصرة' شائع کرائی۔ اس کتاب کے کئی طبعات انگلینڈ، جرمنی اور امریکا سے شائع ہوئے تاکہ مغرب، مشرق پر حملہ آور ہونے سے پہلے اس کے بارے میں ممکن معلومات حاصل کر سکے۔

(الاستشرق بین الحقیقة والتضلیل، ص: ۵۶، ۵۷)

عصر حاضر اور استشرق:

استشرق کی یہ تحریک عصر حاضر میں بھی جاری ہے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ برطانوی استعمار کے زمانے میں برطانیہ کے مستشرقین اس تحریک کی قیادت کر رہے تھے اور اب امریکی استعمار کے زمانے میں امریکی استشرق دنیا بھر کے مستشرقین کا عالمی ترجمان ہے۔ امریکی استعمار کے نمائندہ مستشرقین میں ہمیں ہیملٹن گب (۱۹۷۱-۱۸۹۵ء) کا نام ملتا ہے، جو شروع میں تو لندن یونیورسٹی میں School of Oriental and African Studies میں پروفیسر رہا بعد ازاں اس نے ہارورڈ یونیورسٹی میں Harvard Center For Middle Eastern Studies کی بنیاد رکھی اور

استشراق کے نمایاں اسباب و وسائل ہیں؛ جیسا کہ The Oriental Institute of the University of Chicago Center for Middle Eastern Studies اور لائیون یونیورسٹی میں قائم Institute for Area Study اور یونیورسٹی آف ایڈنبرگ Islamic and Middle Eastern Studies میں قائم The American school of Oriental اور Center Royal Asiatic society of Great Britain and Ireland وغیرہ اہم ہیں۔

معاصر تحریک استشراق کے نمایاں وسائل و ذرائع میں سے ایک اہم ذریعہ اسلام کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا کی تیاری ہے۔ ۱۹۵۳ء میں مستشرقین نے Shorter Encyclopaedia of Islam کے نام سے ایک انسائیکلو پیڈیا شائع کیا۔ بعد ازاں اس انسائیکلو پیڈیا کے دوسرے ایڈیشن کو Encyclopaedia of Islam کے نام سے ۱۹۵۴ء سے ۲۰۰۵ء کے دوران میں مرتب کیا گیا۔ اور اگر اس کے فہرست حوالہ جات کو بھی شامل کیا جائے تو یہ ۲۰۰۷ء میں جا کر کہیں مکمل ہوا ہے اور اس کی تکمیل میں تقریباً ۵۳ سال لگے ہیں۔ ۲۰۰۷ء میں اس کے تیسرے ایڈیشن کی اشاعت بھی شروع ہو گئی ہے۔ فہارس کے علاوہ یہ انسائیکلو پیڈیا ۱۲ جلدوں پر مشتمل ہے، جب کہ تین جلدیں فہارس کی علاوہ ازیں ہیں۔ اس کے ۲۵ کے قریب ایڈیٹرز میں سے پانچ ایڈیٹرز ان چیف ہیں۔ یہ انگریزی اور فرانسیسی دونوں زبانوں میں دستیاب ہے، جب کہ تیسرا ایڈیشن آن لائن بھی موجود ہے۔

(http://www.brill.com)

یہ اسلام کے بارے مغرب میں پائی جانے والی غلط فہمیوں، شکوک و شبہات اور اعتراضات کا مرجع و ماخذ ہے۔ نیدرلینڈ کی ایک ڈچ کمپنی، برل نے اسے شائع کیا ہے۔ یہی کمپنی Encyclopedia Islamica کے نام سے بھی ۱۶ جلدوں میں اسلام، شیعہ ازم اور ایران کے بارے ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کر رہی ہے، جس کی ۲۰۱۲ء تک ۳ جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن اس انسائیکلو پیڈیا کے اکثر

اس کا ڈائریکٹر بھی رہا۔ اس نے پہلی جنگ عظیم میں برطانوی فوج کے لیے Royal Regiment of Artillery میں کام کیا۔

گرب کے نمایاں شاگردوں میں ہمیں برنارڈ لیوس کا نام ملتا ہے، جو ۱۹۱۶ء میں لندن میں پیدا ہوا اور ابھی حیات ہے۔ برنارڈ لیوس نے بھی دوسری جنگ عظیم میں برطانوی رائل آرمڈ کور اور انٹیلی جنس کور میں کام کیا تھا۔ شروع میں لندن یونیورسٹی میں School of Oriental and African Studies کا چیئر مین رہا اور بعد ازاں پرستون یونیورسٹی، امریکا سے وابستہ ہو گیا۔ مشرق وسطیٰ اور مسلم دنیا سے متعلق فارن پالیسی مرتب کرنے میں امریکی حکومتیں کئی ایک دہائیوں سے اس کے مشوروں پر عمل کرتی چلی آئی ہیں۔ اسے مشرق وسطیٰ اور اسلامی تاریخ پر تحقیقی کام کی وجہ سے مغرب میں ”The doyen of Middle Eastern studies“ اور ”Father of Islamic studies“ اور ”The West's most distinguished scholar on the Middle East“ اور ”The most influential postwar historian of Islam and the Middle East“ جیسے القابات سے جانا جاتا ہے۔ ۱۹۶۶ء میں قائم ہونے والی آرگنائزیشن East Middle East Studies Association of North America کا وہ بانی رکن تھا، لیکن ۲۰۰۷ء میں اس نے اس سے اختلاف کے سبب سے اپنی نئی تنظیم Association of the Study of the Middle East and Africa کے نام سے بنائی اور اس کا چیئر مین قرار پایا۔

مستشرقین کی کئی ایک مؤسسات اور جمعیتیں اس وقت Middle Eastern Studies، African Studies، Islamic Studies، Asian Studies، Eastern Studies اور Area Studies کے نام سے کام کر رہی ہیں۔ یورپ اور امریکا میں موجود کئی ایک یونیورسٹیوں میں اس نام سے قائم کیے گئے سکولز، سنٹرز، انسٹی ٹیوٹس اور ڈیپارٹمنٹس معاصر تحریک

- ③ Islam: The Straight.
 ④ Makers of Contemporary Islam, Path, Redicalism, Revolution or Reform اور
 ⑤ Islamophobia: The Challenge of Pluralism in the 21st Century
 کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔

امریکن لائبریری ایسوسی ایشن نے بھی ۲۰۰۷ء میں Encyclopedia of Islam & the Muslim World کے نام سے ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کیا ہے۔ پرنسٹن یونیورسٹی، امریکا نے The Princeton Encyclopedia of Islamic Political Thought کے نام سے اوائل اسلام سے لے کر اب تک کے مسلم سیاسی افکار پر ایک انسائیکلو پیڈیا مرتب کیا ہے، جو ۲۰۱۲ء میں شائع ہوا ہے۔ (بہ شکریہ ”نظریات“)

ضروری اعلان

- ہفت روزہ ”الاعتصام“ لاہور میں مضامین ارسال کرنے والے خواتین و حضرات درج ذیل باتوں کا ضرور خیال فرمایا کریں:
- ① مضمون کاغذ کی ایک طرف لکھا ہو، صاف ستھرا اور حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔
 - ② مضمون مدلل، باحوالہ، آیت، حدیث اور کتب کے نام و صفحہ نمبر مکمل تحریر فرمائیں۔
 - ③ جلسوں، کانفرنسوں کے اشتہارات یا اعلانات بھیجنے والے احباب اس کا اعلان جلسہ یا کانفرنس کے انعقاد سے پندرہ دن پہلے ارسال کر دیا کریں، نیز ان جلسوں یا تقاریب کی رپورٹ وغیرہ شائع کرنے سے ادارہ قاصر ہے۔
 - ④ مضمون ارسال کرنے والے شائع ہونے کے لیے اپنی باری کا انتظار کیا کریں نیز غیر معیاری مضامین کی اشاعت سے اداه معذرت خواہ ہے۔ امید ہے قارئین دفتر الاعتصام سے تعاون کریں گے۔ (منیجر)

مضامین ۳۲ جلدوں میں موجود شیخہ اسلام اور ایران کے بارے ایرانی فارسی انسائیکلو پیڈیا دائرۃ المعارف بزرگ اسلامی کا ترجمہ یا اس سے ماخوذ ہیں۔ برل ہی نے ۲۰۰۵-۲۰۰۱ء میں ۵ جلدوں میں قرآنی دائرۃ المعارف بھی شائع کیا ہے اور ایک جلد فہارس کی علاوہ ازیں ہیں۔ اس کی ایڈیٹر Jane Dammen McAuliffe جو پہلے جارج ٹاؤن یونیورسٹی میں جارج ٹاؤن کالج کی ڈین رہی ہیں اور اب Bryn Mawr College کی صدر ہیں۔

۱۹۹۵ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے چار جلدوں میں The Oxford Encyclopedia of the Modern Islamic World کے نام سے جدید مسلم دنیا کا انسائیکلو پیڈیا شائع کیا۔ اس انسائیکلو پیڈیا کے چیف ایڈیٹر جان لوئیس ایسپوزیٹو ہیں، جو جارج ٹاؤن یونیورسٹی، واشنگٹن میں بین الاقوامی تعلقات اور علوم اسلامیہ کے استاد ہیں۔ وہ Middle East Studies Association of North America اور American Council for the Study of Islamic Societies کے صدر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ Democracy کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں رہے اور جارج ٹاؤن یونیورسٹی ہی میں Prince Alsaleed Bin Talal Center for Muslim-Christian Understanding کے ڈائریکٹر ہیں۔ ۲۰۱۳ء کے لیے انھیں American Academy of Religion کا صدر بنایا گیا ہے۔ ۲۰۰۹ء میں انھی کی زیر نگرانی پانچ جلدوں میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے The Oxford Encyclopedia of the Islamic World بھی شائع کیا۔ موصوف اسلام کے بارے میں نسبتاً نرم گوشہ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان پر اسلام پسند ہونے کا الزام بھی ہے۔ انھوں نے

- ① Unholy War: Terror in the Name of Islam.
 ② The Islamic Threat: Myth or Reality?

زیور سے زینت

ام عبدنیب

وَتَسْتَخْرِجُونَ حُلِيَّةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ
مَوَاجِرَ لِيَتَبَتَّغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٠﴾

[الفاطر: ۱۲]

”اور برابر نہیں دو دریا یہ میٹھا ہے، پیاس بجھاتا ہے، پینے میں
خوش گوار ہے اور یہ دوسرا کڑوا ہے، تم ان دونوں میں سے
تازہ گوشت کھاتے ہو اور وہ زیورات نکالنے ہو جنہیں تم پہنتے
ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ بڑی بڑی کشتیاں پانی کو چیرنے
پھاڑنے والی ان دریاؤں میں ہیں تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو
اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔“

اس فرمان باری سے یہ پتا چلتا ہے کہ رب کریم نے دریاؤں کو بھی
انسانی فائدے کے لیے پیدا کیا ہے، جن سے پانی پینے اور بادل
برسنے کے فوائد کے ساتھ ساتھ مچھلیوں کا تازہ گوشت، موتی، سپیاں
اور گھونگھے بھی نکالے جاتے ہیں جو مختلف زیوروں کے کام آتے ہیں۔
زیور معاشرتی مقام اور مالی حیثیت کا مظہر:

زیور پہننے والے کے معاشرتی مرتبے اور مالی حیثیت کا بھی آئینہ
دار ہوتا ہے۔ نیز زیور کے انتخاب سے پہننے والے کے مزاج کا بھی
پتا چلتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ سونے کے بھاری زیور پہنتے ہیں وہ یقیناً
مال دار بھی ہوتے ہیں کیونکہ سونا قیمتی دھات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
بہت سی خواتین مالی لحاظ سے کم حیثیت ہونے کے باوجود سونے کے
کڑے، انگوٹھیاں، گلوبند وغیرہ پہن کر لوگوں پر اپنی مالی برتری کا
رعب ڈالتی ہیں۔

اوجھے مزاج کی خواتین پورے جسم کو زیوروں سے لاد لیتی ہیں،
چاہے وہ کسی معمولی دھات یا چاندی کے ہوں جبکہ سنجیدہ مزاج خواتین

زیور ہر عورت کی کمزوری ہے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی
معاشرے سے ہو یا کسی بھی زمانے سے ہو۔ عورتیں سونے چاندی کے
ہی نہیں بہت سی چیزوں کے زیور زمانہ قدیم سے استعمال کرتی چلی
آ رہی ہیں۔

گھونگھے، سپیاں، کوڑیاں، پتیل، لوہا، تانبا، نکل، ہیرے، موتی،
پتھر، کانچ، چمڑا، ہڈیاں، پھول، پتے، تنکے، تیلیاں، پرندوں کے پر،
رنگین کپڑوں کے ٹکڑے، رنگین دھاگے، پلاسٹک، چمکیلے کاغذ، یہاں
تک کہ کرنی نوٹ بھی زیور کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کسی دور
میں شنگ میوؤں کے ہار پروکر (کلیرے) مردوں اور عورتوں کے
گلے میں ڈالے جاتے تھے۔

خواتین زیور پہننے کا شوق تو رکھتی ہی ہیں لیکن بعض مردوں میں بھی
زیور پہننے کا شوق ہوتا ہے بلکہ زمانہ قدیم ہی سے جاہلی قبائل میں
مردوں کے زیور پہننے کا رواج عام رہا ہے۔

بڑوں کے ساتھ ساتھ بچوں کو بھی زیور پہنانے کا شوق پورا کیا
جاتا ہے۔

زیور فارسی لفظ ہے جو دو لفظوں سے مرکب ہے۔ زے اور ور۔ جو
در اصل زیب ورتھا، جس کا مطلب ہے زینت والا، خوب صورتی
دینے والا۔ کیونکہ زیور کا اصل مقصد خوب صورتی ہی ہوتا ہے۔ عربی
میں اسے حلیہ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں بندوں کے لیے اپنے احسانات کا
ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرُ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِغٌ
شَرَابُهُ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا

ہلکے پھلکے زیور پہنتی ہیں۔

نادار طبقے کی خواتین سونے کے زیور تو نہیں پہن سکتیں لیکن وہ چاندی، پیتل، لوہا، کانچ وغیرہ کے زیور پہن کر اپنا شوق پورا کر لیتی ہیں۔

دور قدیم میں بادشاہ قیمتی ہیرے اور سونے چاندی کے زیور پہنتے۔ تاج میں سونا چاندی اور ہیرے جڑے ہوتے۔ ان کے لباس کے کندھوں اور سینے پر اور پیٹھ پر سونے چاندی کے ٹیمن اور موتی ٹانگے جاتے۔ فارس کے بادشاہ کسریٰ کا تاج سونے چاندی کے جڑاؤ کی وجہ سے اس قدر وزنی تھا کہ تخت کے اوپر اسے ایک زنجیر کے ساتھ لٹکا دیا گیا تھا۔ کسریٰ اسے اپنے سر پر پہننے کی بجائے اپنا سر تخت پر بیٹھ کر اس کے اندر کر لیتا تھا۔

بادشاہوں اور امیر لوگوں کے ہاں اور بھی بہت سی سونے چاندی کی بنی ہوئی چیزیں استعمال ہوتی تھیں، مثلاً: برتن، پان دان، سرمہ دانی، بچوں کے پنگھوڑے، تلواروں کے قبضے، کرسیاں، پانگوں کی آرائش وغیرہ۔ اسلام نے نمائش، اسراف اور تکبر کو حرام قرار دیا اور اس کے تمام مظاہر پر بھی پابندی لگا دی۔ چنانچہ سونے چاندی کی عام چیزوں کا استعمال ممنوع قرار دیا۔ جب کہ مردوں پر سونے چاندی کے زیور بھی حرام کر دیے گئے سوائے چاندی کے استعمال کے۔

ضرورت پڑنے پر کام آنے کے لیے زیور رکھنا:

بعض لوگوں کو زیور پہننے کا شوق نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ معاشرے میں نمایاں ہونے یا دوسروں پر رعب ڈالنے کی بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں، اس کے باوجود ان کے ہاں بھی زیور موجود ہوتا ہے، یا وہ زیور بنوا لیتے ہیں اور اسے سنبھال کر رکھتے ہیں، ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ سونا چاندی ایک زر ہیں جس کی ہر دور میں قدر اور قیمت مسلمہ رہی ہے اور عموماً اس کی قیمت بڑھتی ہی رہتی ہے، اس لیے اکثر لوگ پیسے جمع کرنے کی بجائے زیورات یا سونا خرید لیتے ہیں تاکہ جب ضرورت پڑے تو اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر لیں۔

ہمارے معاشرے میں اکثر سفید پوش لوگ سخت مجبوری یا ہنگامی

حالت کے لیے زیور رکھتے ہیں جو ضرورت پڑنے پر فرض اور محتاجی سے بچانے میں مدد کرتا ہے۔

چوڑیاں سہاگ کی علامت:

ہندو معاشرے میں چوڑیاں پہننا، سینہ دھو بھرنا اور لال جوڑا پہننا سہاگ کی علامت کہلاتا ہے اور ان چیزوں سے زینت وہی عورت حاصل کر سکتی ہے جس کا شوہر زندہ ہو۔ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے تو وہ زندگی بھر نہ تو چوڑیاں پہن سکتی ہے، نہ سینہ دھو بھر سکتی ہے اور نہ ہی لال رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے۔

ہندوؤں کے ہاں وہ بیوی اونچے درجے کی ہے اور ہمیشہ کے لیے وہ نجات حاصل کر لیتی ہے جو خاوند کی چتا کے ساتھ ہی جل مرتی ہے۔ اگر وہ زندہ رہے تو پھر اس پر مذکورہ پابندیاں ہوتی ہیں اور ایک پابندی یہ بھی ہے کہ وہ ساری زندگی بیاہ نہیں کر سکتی، اسے تنہا ہی زندگی گزارنا ہوتی ہے۔

کسی سہاگ عورت یا جس کی شادی ہو رہی ہو اس کے کسی بھی کام میں بیوہ عورت کا ہاتھ نہیں لگنے دیا جاتا، ایسا کرنا منحوس سمجھا جاتا ہے۔ البتہ اس کو معاشرے میں عام عورتوں کی نسبت زیادہ عزت دی جاتی ہے۔

شریعت اسلامی میں عورت کے لیے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن عدت فرض ہے۔ اس دوران وہ ہر قسم کے زیور، ہر قسم کی خوشبو اور اچھے، خوش رنگ، نئے کپڑوں کو استعمال نہیں کر سکتی۔ عدت کے بعد وہ اس پابندی سے آزاد ہو جاتی ہے اور اسے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔

انگوٹھی بطور مہر:

دور قدیم میں بادشاہ مہر کے لیے انگوٹھی بنواتے اور اس پر اپنا نام کندہ کرا لیتے اور جب کوئی خط بھیجنا ہوتا اس پر انگوٹھی سے مہر لگا دیتے۔ انگوٹھی کا یہ فائدہ بھی تھا کہ وہ ہر وقت بادشاہ ہی کے پاس رہتی تھی کوئی دوسرا شخص اس کو بطور مہر استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ جب بادشاہ انگوٹھی اتارتے تو اس کی حفاظت کے لیے مخصوص شخص مقرر کیا

جاتا جسے تنخواہ بھی ادا کی جاتی تھی، وہ اس انگوٹھی کی حفاظت کرنے اور بادشاہ کے علاوہ کسی کے تصرف میں نہ دینے کا بھی ذمہ دار ہوتا۔

مہر لگانے کا کام لینے کی وجہ ہی سے عربی میں انگوٹھی کو خاتم کہا جاتا ہے۔

زیورات پر نام کندہ کرانا:

انگوٹھی یا دیگر زیور مثلاً لاکٹ، ننگن وغیرہ پر اپنا محبوب شخصیات کا نام کندہ کروانے کا رواج بھی رہا ہے۔ پھر اس میں مزید یہ تبدیلی آئی کہ من پسند جملے، دعائیں، آیات وغیرہ بھی زیورات پر کندہ کیے جانے لگے۔

مختلف آفات سے بچنے کے لیے زیورات پر ہی نقش، اعداد و الفاظ یا اسماء کندہ کرانے کا بھی رواج موجود ہے۔

بعض لوگ اپنے پیر و مرشد یا کسی متبرک شخصیت کا نام زیورات پر کندہ کرواتے ہیں، آج کل ان پیروں کی تصویریں بھی کندہ کرانے کا رواج عام ہو رہا ہے۔

بزرگوں اور پیروں کے نام یا تصویریں کندہ کرانا پر لے درجے کی جہالت ہے اور شرکیہ کام بھی۔ اسلام نے پیر و مرشد پکڑنے کی کوئی تعلیم نہیں دی، نیز پیر و مرشد یا بزرگوں کو ماننے کا ذکر ایمان کی جملہ شرائط میں بھی نہیں ملتا، اس لیے جن لوگوں کا خیال ہے کہ پیر و مرشد پکڑنا چاہیے اور انھیں ماننا بھی چاہیے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ کلمہ شہادت میں تو صرف توحید اور رسالت ہی کی گواہی دی جاتی ہے۔

اگر پیروں اور بزرگوں کی اسلام میں وہی اہمیت ہوتی جو جاہل اور بدعقیدہ لوگ بیان کرتے ہیں تو پھر ان کے متعلق باقاعدہ ہدایت دی جاتیں، ان کے نام لیے جاتے، ان کے وسیلے سے کی جانے والی دعاؤں کا احادیث میں ذکر ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانوں میں سے صرف انبیاء و رسل پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے باقی تمام لوگ ایک جیسے انسان ہیں البتہ جو علم اور عمل میں کوشش کر کے دوسروں کے مقابلے میں سبقت لے جائے اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر اور عزت بھی ہے۔

بعض لوگ زیورات پر اللہ اور محمد نام کندہ کراتے ہیں، ایسا کرنے کا نہ تو شریعت نے حکم دیا ہے اور نہ ہی منع کیا ہے۔

یاد رہے کہ جس کاغذ پر یا جس چیز پر اللہ کا نام لکھا ہو یا کندہ کیا ہو ہو اسے بیت الخلاء میں لے جانا جائز نہیں چاہے وہ جیب ہی میں کیوں نہ ہو یا کاغذ، کپڑے، دھات وغیرہ میں ہی لپٹا ہو۔

بعض لوگ زیورات پر اپنے محبوب یا معشوق کا نام کندہ کراتے ہیں اگر وہ محبوب یا معشوق شوہر یا بیوی ہے تو ایسا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ شوہر یا بیوی نہیں ہیں اور اس کے ساتھ شہوانی خواہش کی وجہ سے دوستی اور راہ ورسم ہے تو پھر یہ انتہائی برا کام ہے۔ اسلام اپنے شوہر اور اپنی بیوی کے علاوہ کسی سے بھی شہوانی تعلقات قائم کرنے یا خیالات وابستہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ شہوانی تعلق صریحاً زنا ہے جب کہ شہوانی خیالات دل کا زنا ہیں، اور اس کا رد سے بچنا ایک مسلمان پر لازم ہے۔

البتہ اگر کوئی کسی اور وجہ سے دوست ہے، بھائی ہے، پسندیدہ شخصیت ہے تو پھر اس کا نام کندہ کروانے میں کوئی حرج نہیں البتہ یہ احتیاط پھر بھی لازم ہے کہ متعلقہ شخصیت اپنی کسی برائی یا برے فتنے کی وجہ سے پسندیدہ نہ ہو، مثلاً: کوئی کھلاڑی فلمی اداکار، گلوکار، ماڈل گرل یا ماڈل بوائے، کوئی سازندہ، حرام ادارے چلانے والا، شعبہ باز، جوکر، مداری نہ ہو کہ یہ سب کام شریعت اسلامیہ میں حرام بھی ہیں اور کمینے بھی۔ لہذا ان سے دوستی رکھنا یا ان کو پسند کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

بعض لوگ زیورات پر سبحان اللہ، ماشاء اللہ جیسے کلمات، یا پھر کوئی آیت یا آیت کا ٹکڑا، بعض لوگ کوئی اور اسلامی عقیدے یا کسی اسلامی ہدایت کی ترجمانی کرنے والے الفاظ، مثلاً: ”اللہ دیکھ رہا ہے“، ”علم نور ہے“ وغیرہ، لکھتے ہیں۔

اس طرح کے الفاظ کندہ کرانے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ جن الفاظ میں اللہ کا نام ہو یا آیت یا آیت کا کوئی حصہ ہو انھیں بیت الخلاء میں جاتے ہوئے باہر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ بیت الخلاء خبیث جگہ ہے اور خبیث چیزوں کا ٹھکانا۔

اور آخرت میں اہل ایمان کے لیے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی اور اس کا گنیزہ تھیلی کی جانب رکھنا شروع کیا اور اس میں ”محمد رسول اللہ“ کے الفاظ کندہ کروائے تو صحابہ نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، جب آپ نے دیکھا کہ لوگوں نے بھی (ویسی ہی انگوٹھیاں) بنوائی ہیں تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار پھینکی اور فرمایا: میں اسے اب کبھی نہیں پہنوں گا۔ پھر آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

(ابوداؤد: ۴۲۱۸، صحیح بخاری: ۵۸۶۶، مسلم: ۲۹۰۱)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کیا کرتے تھے کہ نبی ﷺ کو دس باتیں ناپسند تھیں:

۱: زرد رنگ کی مرکب خوشبو، یعنی خلوق۔

۲: بالوں کا سیاہ رنگ تبدیل کر دینا۔

۳: چادر گھٹیٹنا۔

۴: سونے کی انگوٹھی پہننا۔

۵: بغیر مناسب موقع کے زینت کا اظہار کرنا۔

۶: گونیوں سے کھیلنا۔

۷: شرعی معوذات کے علاوہ دوسرے دم جھاڑ، منکے کوڑیاں وغیرہ لٹکانا۔

۸: غیر حلال میں منی ڈالنا (یعنی زنا کرنا)۔

۹: بچے میں خرابی ڈالنا، لیکن آپ اسے حرام نہیں کہتے تھے (مراد یہ کہ ایامِ رضاءت میں مباشرت کرنا)۔

(ابوداؤد: ۴۲۲۲، نسائی: ۵۰۹۱)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو آپ نے اسے اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: تم میں سے کوئی سونے کی انگوٹھی پہن کر آگ کے انگارے کا قصد کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد اس آدمی سے کہا گیا کہ انگوٹھی اٹھا لو اور اس سے کوئی دوسرا فائدہ حاصل کر لینا (یعنی عورتوں کو دے دینا یا بیچ کر قیمت وصول کر لینا) اس صحابی نے کہا: اللہ کی قسم! جس انگوٹھی کو اللہ کے رسول

اس چیز کا خیال رکھنا عملاً بہت مشکل ہوتا ہے اور مسلمان کا اپنے آپ کو کسی لایعنی کام کے لیے مشکل میں ڈال لینا زیب نہیں دیتا، اس لیے ایسے الفاظ کندہ نہ کرانا ہی بہتر اور آسان ہے۔

ویسے بھی زیورات پر الفاظ کندہ کرنا ضروری نہیں، البتہ اگر آج بھی کسی کی واقعی ضرورت بن جائے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔

بعض لوگ زیورات پر ایسے الفاظ کندہ کروا لیتے ہیں یا ایسا زیور خرید لیتے ہیں جس پر کافروں کے دیوی دیوتاؤں کے نام کندہ ہوتے ہیں، مثلاً: یسوع مسیح..... کیو پڈ..... ونس..... لکشمی..... ہرے کرشنا..... رام۔

اسی طرح بعض لوگ فحش عبارتیں بھی زیورات پر کندہ کرواتے ہیں۔ یا ایسے لفظ لکھے ہوتے ہیں جو ذہن کو فوراً کسی بری بات کی طرف منتقل کر دیتے ہیں، جیسے: I Love You

بعض زیورات پر موقع کی مناسبت سے عبارت کندہ کی جاتی ہے، مثلاً: Happy Birth Day To You..... ویلنٹائن ڈے.....

شادی مبارک..... عید مبارک وغیرہ۔

یہ انداز بھی جاہلانہ ہے البتہ اگر کسی جائز موقع کی مناسبت سے عبارت کندہ ہو تو وہ قابل قبول ہو سکتی ہے، مثلاً: عید مبارک لیکن اگر عبادت کا تعلق غیر مسلموں کے تہواروں سے ہے یا فحش چیزوں سے تو یہ ہرگز جائز نہیں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے: مصنوعات پر کندہ نقش اور حروف)

مردوں کے لیے زیور:

مردوں کے لیے کسی بھی قسم کا زیور پہننا جائز نہیں کیونکہ یہ عورتوں کی مشابہت ہے، خاص طور پر مرد کے لیے سونے اور چاندی کی کوئی بھی چیز، پہننا جائز نہیں سوائے چاندی کی انگوٹھی کے۔

نبی اکرم ﷺ نے سونا اور ریشم اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے میری امت کے مردوں پر حرام کیا ہے اور عورتوں کے لیے یہ جائز ہیں۔ (صحیح مسلم، ابن ماجہ: ۳۵۹۵)

جب کہ ایک حدیث میں ہے کہ یہ دنیا میں کافروں کے لیے ہیں

انگوٹھی کس انگلی میں؟

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شہادت والی یا درمانی انگلی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ نے مجھے اس میں یا اس میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا۔ یہ شک راوی عاصم کو ہوا ہے۔ اور آپ نے مجھے قسی اور مشیرہ سے بھی منع کیا۔

(ابوداؤد: ۴۲۲۵، بخاری: ۵۸۳۸، ترمذی: ۲۰۷۸)

معلوم ہوا کہ انگشت شہادت یا بیچ والی انگلی میں انگوٹھی پہننا درست نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا کرتے تھے۔ (ابوداؤد: ۴۲۲۶، نسائی: ۵۲۰۶)

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما انگوٹھی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں پہنا کرتے تھے اور ان کے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی انگوٹھی ایسے ہی پہنا کرتے تھے۔

(ابوداؤد: ۴۲۹۹، ترمذی: ۱۷۴۲)

مستحب اور مسنون دائیں ہاتھ کی چھنگلیا میں انگوٹھی پہننا ہے۔ ان روایات سے یہ پتا چلتا ہے کہ مرد کے انگوٹھی پہننے کا کیا ادب اور طریقہ ہونا چاہیے لیکن عورت کے لیے کسی ہاتھ یا انگلی کی تخصیص نہیں کہ زیور یا انگوٹھیوں سے زینت حاصل کرنا عورت کے لیے عام ہے، وہ حسب پسند کسی بھی انگلی میں انگوٹھی پہن سکتی ہے۔

لوہے کا زیور:

جناب عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا جب کہ اس نے بیتل کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ آپ نے اس فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں تجھ سے بتوں کی بوپاتا ہوں تو اس نے وہ انگوٹھی اتار پھینکی۔ جب وہ دوبارہ آیا تو اس نے لوہے کی انگوٹھی پہنی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا: کیا بات ہے کہ میں تجھ پر دوزخیوں کا زیور دیکھتا ہوں تو اس نے وہ بھی اتار پھینکی۔ پھر اس نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میں کس چیز کی انگوٹھی پہنوں۔ آپ نے فرمایا: چاندی کی بنواؤ مگر ایک مشقال (۲.۲۵ گرام) سے کم وزن رکھنا۔

(ابوداؤد: ۴۲۲۳، ترمذی: ۱۷۸۵، نسائی: ۵۱۹۸، ابن حبان: ۱۳۶۷)

نے پھینک دیا ہے اسے میں کبھی نہیں اٹھاؤں گا۔ (صحیح مسلم)
رسول اللہ ﷺ کی انگوٹھی:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے عجمی بادشاہوں کو خط لکھنے کا ارادہ کیا تو آپ کو بتایا گیا کہ وہ لوگ مہر کے بغیر خط نہیں پڑھتے تو آپ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس میں یہ کلمات کندہ تھے: اللہ، رسول، محمد۔ (ابوداؤد: ۴۲۱۴، صحیح بخاری: ۵۸۷۲)

ایک اور حدیث میں اس کے بعد یہ بھی انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ انگوٹھی آپ کے ہاتھ میں رہی حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی، پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ انگوٹھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی حتیٰ کہ ان کی وفات ہو گئی۔ پھر یہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی، وہ ایک کنویں کے کنارے پر بیٹھے تھے کہ کنویں میں گر گئی۔ انھوں نے حکم دیا تو کنویں کا سارا پانی نکالا گیا لیکن انگوٹھی نہ مل سکی۔ (ابوداؤد: ۴۲۱۵، بیہقی: ۶۳۴۲)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ چاندی کی انگوٹھی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔ (ابوداؤد: ۴۲۱۶، صحیح مسلم: ۲۰۹۴، صحیح بخاری: ۵۸۶۸)
حبشی نگینے سے مراد یہ کہ یہ جوشہ کا پتھر تھا یا اس پتھر کا رنگ کالا تھا۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا۔ (ابوداؤد: ۴۲۱۷، ترمذی: ۱۷۴۰، نسائی: ۵۲۰۳)

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی شخص میری انگوٹھی کے نقش کی طرح اپنی انگوٹھی کا نقش نہ بنوائے۔ (ابوداؤد: ۴۲۱۹، صحیح مسلم: ۲۰۹۱)
کیونکہ یہ انگوٹھی سرکاری مہر کی حیثیت رکھتی تھی، اسی لیے اسے خلفائے ثلاثہ بھی استعمال کرتے رہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ جب سیدنا عثمان سے وہ انگوٹھی کنوئیں میں گر گئی تو آپ نے اسی طرح کی اسی نقش والی اور انگوٹھی بنوائی۔ چنانچہ وہ اسی سے مہر لگاتے یا اسے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ (ابوداؤد: ۴۲۲۰، نسائی: ۵۲۲۰)

زیور، یعنی ہار وغیرہ پہنایا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ لڑکیوں کے زیور کے مشابہ نہ ہو کیونکہ آپ نے مردوں کو عورتوں کی اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے منع کیا ہے۔

مرد کو سونے کا ہدیہ یا سونے میں سے اس کا حصہ دینا:

مرد پر سونے کا زیور پہننا حرام ہے لیکن اسے سونے یا سونے کے زیور کا ہدیہ دیا جاسکتا ہے لیکن وہ اسے خود نہیں پہنے گا، اپنی عورتوں کو دے گا یا اسے بیچ کر اپنے کام میں لے آئے گا جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ریشمی کرتا دیا تو وہ روتے ہوئے آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: جو چیز آپ کو پسند نہیں مجھے کیوں دی؟ تو آپ نے فرمایا: اس لیے دی ہے کہ تم کسی کو ہدیہ کر دو۔ چنانچہ انھوں نے یہ کرتا مکہ مکرمہ میں اپنے مشرک بھائی کو بھیج دیا۔

سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے قبول اسلام سے پہلے ہجرت مدینہ کے وقت آپ ﷺ کا تعاقب کیا مگر مغلوب ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ آپ ﷺ نے انھیں امان نامہ لکھ کر دیا اور یہ بشارت بھی سنائی کہ میں تمھارے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مجاہدین اسلام نے کسریٰ کا ملک فتح کر لیا تو جو مال غنیمت ہاتھ آیا اس میں کسریٰ کے کنگن بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیے گئے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۳۴۱)

الاعتصام

ایک علمی، اصلاحی اور دعوتی جریدہ ہے، اس کے فروع اور توسیع اشاعت میں بھرپور حصہ لیں۔ اس سے مالی تعاون کرنا آپ کا اخلاقی فریضہ ہے۔ (ادارہ)

جناب ایاس بن حارث بن معقیب اپنے دادا معقیب رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ کی انگوٹھی لوہے کی تھی جس پر چاندی کا ملح کیا گیا تھا۔ بسا اوقات وہ انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ راوی نے کہا کہ سیدنا معقیب رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی انگوٹھی کے محافظ تھے۔ (ابوداؤد: ۴۲۲۳، نسائی: ۵۲۰۸)

مولانا صلاح الدین یوسف لکھتے ہیں کہ لوہے کی انگوٹھی کو جس چیز سے ملع کیا گیا وہ اسی کے حکم میں ہوگی سونا ہو یا چاندی اور مردوں کے لیے چاندی جائز ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ دھات جو بھی ہو اس پر جب سونے یا چاندی کا ملح کر لیا جائے یا کسی اور رنگ سے اسے رنگ لیا جائے اور پیتل، تانبے، لوہے وغیرہ کا اپنا رنگ چھپ جائے تو پھر اسے پہننا جائز ہے۔ ممنوع تو اس لیے ہے کہ اہل جہنم سے مشابہت نہ ہو جب مشابہت ختم ہوگئی تو منع کا حکم بھی ساقط ہو گیا۔

چھوٹے لڑکوں کو زیور پہننا:

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مدینہ کے بازاروں میں سے ایک بازار میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا۔ آپ واپس ہوئے تو میں بھی آپ کے ساتھ واپس ہوا پھر آپ نے فرمایا: بچہ کہاں ہے؟ آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ حسن بن علی کو بلاؤ۔ حسن بن علی آئے اور ان کی گردن میں سخاب (خوشبودار لونگ وغیرہ کا) ہار تھا۔ آپ نے اپنے ہاتھ اس طرح پھیلائے (تاکہ حسن رضی اللہ عنہ کو گلے لگائیں) اور حسن رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ہاتھ پھیلائے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے لپٹ گئے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اے اللہ! میں اس سے محبت رکھتا ہوں۔ تو بھی اس سے محبت کر اور ان سے بھی محبت کر جو اس سے محبت کریں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، آپ کا یہ ارشاد سننے کے بعد مجھے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے زیادہ پیارا کوئی شخص نہیں۔

(بخاری: ۵۸۸۴، ۲۱۲۲)

اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ چھوٹے لڑکوں کو سونے چاندی کا تو نہیں لیکن کسی چیز، مثلاً: گھونگھے، سپیاں، پھول، خوشبودار لکڑی وغیرہ کا

محترم چودھری غلام حسین تہاڑیا

(ولادت ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء)

محمد اسحاق بھٹی

اندازہ ہوا کہ یہ بظاہر سنجیدہ طبع ہونے کے باوجود باطن خوش مزاج اور بزبان خوش کلام ہیں۔ اب ہم دونوں ایک ہی کمرے (یا ایک ہی کچے کوٹھے) کے وسنیک اور ایک ہی مکان کے رہائشی اور دن رات ایک ہی ادارے کے ساتھی تھے۔ ہم نے ایک دوسرے کو کیسا پایا اور کس طرح آپس میں گزر گزران ہوئی، اس کا تو آگے چل کر پتا چلے گا، پہلے یہ معلوم کر لیا جائے کہ انھیں تہاڑیا بروزن دیہاڑیا کیوں کہا جاتا ہے اور ان کے آباء واجداد کون تھے؟

بات یہ ہے کہ کسی زمانے میں ان کے دادے پڑدادے جس گاؤں میں سکونت پذیر تھے، اس گاؤں کا نام ”تہاڑا“ تھا۔ وہ گاؤں دریائے ستلج کے کنارے واقع تھا۔ ہر سال بارش کے موسم میں وہاں سیلاب کا حملہ ہوتا تھا۔ ان کی زمینیں اس کی زد میں آ جاتی تھیں اور فصلیں برباد ہو جاتی تھیں۔ ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام میاں عبدالرحمن تھا۔ وہ موضوع تہاڑا کی سکونت ترک کر کے فیروز پور آ بیٹے تھے اور اس زمانے کی سرکار نے ان کو تہاڑا کی زمینوں کے بدلے میں وہاں خاصا رقبہ دے دیا تھا اور اس خاندان کے لوگوں کی وہاں ایک خاص بستی آباد ہو گئی تھی، میاں عبدالرحمن کے نام کی نسبت سے اس بستی کا نام ”بستی رحمان تہاڑیا“ رکھا گیا اور محکمہ مال کے کاغذات میں اس کا یہی نام درج تھا۔ پھر آگے چل کر اس بستی مکینوں کے ہر اس فرد کو، جس کا تہاڑا گاؤں سے تعلق تھا، ”تہاڑیا“ کہا جانے لگا۔

یہ بستی تقسیم ملک سے قبل کے فیروز پور کے جغرافیے کی رو سے چھاؤنی اور شہر کے درمیان بجانب شہر بائیں طرف اس بڑے پل کی ڈھلوان سے تھوڑا سا آگے تھی جو ریلوے لائن کے اوپر سے شہر اور

۱۹۴۳ء کے مارچ میں معلم کی حیثیت سے میں مرکز الاسلام گیا، جو لکھو کے گاؤں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھا۔ اس سے ڈیڑھ سال بعد ۱۹۴۴ء کے آخر میں وہاں ایک اور صاحب آئے جن کا حلیہ اور اس وقت کا لباس اور چال ڈھال اب تک میری آنکھوں کے سامنے ہے۔ میانہ قد، اکہرا بدن، گندمی رنگ میں سرخی کی آمیزش، نیکی ناک، چمک دار آنکھیں، لبوں پر مسکراہٹ، چھوٹے ساز کی کالی ڈاڑھی۔ اس زمانے کے رواج کے مطابق نسواری سے رنگ کی کلمے پر طرے دار پگڑی باندھے اور سفید لٹھے کا تہبند اور سفید قمیص پہنے ہوئے۔ تینیس چوبیس سال کے خوب روجوان.....! مولانا معین الدین لکھوی نے تعارف کرایا: یہ ہیں چودھری غلام حسین تہاڑیا، اے۔ یہ ہمارے مدرسے میں مدرس کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیں گے اور دیگر مضامین کے ساتھ ساتھ طلباء کو ریاضی اور انگریزی وغیرہ جدید علوم کے مضامین پڑھایا کریں گے۔

”تہاڑیا“ کی نسبت سے میرا ذہن جو ایسا اوقات اصل بات سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے ”دیہاڑیا“ کی طرف منتقل ہوا۔ لیکن یہ انتقال ذہنی خلاف واقعہ یا خلاف حقیقت نہیں تھا۔ ہم میں سے ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں دیہاڑیا ہے، یعنی مزدور۔ فرق صرف یہ ہے کہ مزدوری کی شکلیں کچھ مختلف ہوتی ہیں۔ کسی کی مزدوری کسی قسم کی ہے، کسی کی کسی قسم کی۔ میں خود ہمیشہ دیہاڑیا یا مزدور رہا۔ لوگ مجھے مصنف یا رائٹر کہتے ہیں، یہ ان کی مہربانی ہے، ورنہ اصل بات یہ ہے کہ میں قلم کا مزدور ہوں یعنی دیہاڑی دار۔

چودھری غلام حسین تہاڑیا سے کھڑے کھڑے چند باتیں ہوئیں تو

چھاؤنی کو ملاتا تھا۔ میں ایک مرتبہ چودھری غلام حسین کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ وہ ان کے ماموں چودھری عبدالسلام کا مکان تھا اور ہم نے دوپہر کا کھانا وہیں کھایا تھا۔

آہستہ آہستہ ”بستی رحمان تھارڑیا“ کا نام ”تھارڑیاں والی بستی“ میں بدل گیا، یعنی لفظ رحمان لوگوں کی زبان سے اتر گیا۔ اس بستی کے علاوہ تین بستیاں اور تھیں، وہ تھیں بھٹیاں والی بستی، ممدیاں والی بستی اور ٹینکاں والی بستی۔ جس طرح تھارڑیاں والی بستی کی ایک خاص وجہ تسمیہ تھی، اسی طرح باقی تین بستیوں کی وجوہ تسمیہ بھی ہوں گی۔ یہ چار بستیاں تھیں جو فیروز پور شہر کے مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کے چار دروازوں (دہلی دروازہ، ملتان دروازہ، قصوری دروازہ اور لکھو دروازہ) سے تھوڑا سا باہر تھیں۔

پھر ایک وقت آیا کہ فیروز پور میں سرکاری عمارتیں بننے لگیں، مثلاً: فیروز پور شہر اور چھاؤنی کے الگ الگ ریلوے اسٹیشن، ضلع کچہری، ضلعی افسروں کی کونٹھیاں، تحصیل ہیڈ کوارٹر، گورنمنٹ ہائی سکول اور جیل خانہ وغیرہ۔ اب تھارڑیاں والی بستی کے مکینوں کی زمینیں (جو انھیں تھارڑا گاؤں کی زمینوں کے بدلے میں ملی تھیں) ان سرکاری عمارتوں نے گھیر لیں اور ان کے تبادلے میں انھیں فیروز پور سے بجانب جنوب گیارہ بارہ میل کے فاصلے پر دو چک (یعنی گاؤں) دے دیے گئے۔ ایک گاؤں کے نام تھا چک روڑاں والا اور دوسرے کا نام تھا چک سادھو والا۔ چودھری غلام حسین کے آباء واجداد جو بھتی باڑی کرتے تھے، چک سادھو والا میں آباد ہو گئے اور اسے ”چک تھارڑیاں“ کہا جانے لگا۔

چودھری غلام حسین ارائیں برادری کے فرد ہیں اور کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ فیروز پور شہر میں ان کے نہیال تھے۔ ان کی ولادت وہیں ۱۶ جولائی ۱۹۲۳ء کو ہوئی۔ والد کا اسم گرامی میاں محمد ابراہیم اور دادا کا نام میاں الہی بخش تھا۔ میں نے ان کے والد کو دیکھا ہے، خاموش طبع اور نیک آدمی تھے۔

چودھری صاحب کے نہیال کے بعض افراد اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور فیروز پور شہر اور اس کے گرد و نواح میں انھیں احترام کا مقام حاصل تھا۔

ان کے ایک ماموں کا نام میاں عبدالحق تھا جو اس زمانے میں انگلستان سے بیرسٹری کر کے آئے تھے، جب پورے ہندوستان میں بہت کم تعداد میں بیرسٹر ہوں گے۔ ان ایک ماموں چودھری عبدالستار تھے جو ضلع فیروز پور کے ایک شہر ”فاضلکا“ میں گورنمنٹ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ بڑے جرات مند شخص تھے۔ کشمیر میں ڈوگرہ حکومت کے مظالم کے خلاف ۱۹۳۰ء میں مجلس احرار نے تحریک شروع کی تو چودھری عبدالستار کی حمیت جوش میں آئی اور وہ سرکاری ملازمت ترک کر کے مجلس احرار میں شامل ہو گئے اور ان کا شمار مجلس احرار کے چوٹی کے راہنماؤں میں ہونے لگا۔ بالخصوص فیروز پور شہر اور ضلع کے سیاسی اور دینی حلقوں میں ان کو بہت تکریم کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ سیاسیات میں انھوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ میں نے ان کو نہیں دیکھا لیکن فیروز پور کے لوگوں سے ان کی تعریف سنی ہے۔ افسوس ہے انھوں نے زیادہ عمر نہیں پائی ان کی وفات کے بعد ان کی ایک بیوہ تھی اور تین بیٹیاں تھیں۔ چودھری غلام حسین نے پہلی جماعت اپنے اسی ماموں چودھری عبدالستار کے ہائی سکول فاضلکا میں پڑھی۔ موصوف کی تربیت کا ان پر بہت اثر ہے۔

چودھری عبدالستار نے جب سکول کی ملازمت چھوڑ دی تو غلام حسین فیروز پور آ گئے اور پھر دوسری جماعت سے لے کر میٹرک تک فیروز پور کے گورنمنٹ ہائی سکول میں تعلیم حاصل کی۔ اسی سکول میں ان کا تعلق مولانا معین الدین لکھوی سے ہوا۔ وہ ان کے میٹرک میں کلاس فیلو تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد انھوں نے فیروز پور کے آر، ایس، ڈی رام سکھ کالج میں داخلہ لیا اور وہیں بی اے پاس کیا۔

اب چودھری غلام حسین کا نظام اوقات (ٹائم ٹیبل) ملاحظہ ہو جو انھوں نے سکول اور کالج کی طالب علمی کے زمانے میں اپنے لیے بنا رکھا تھا۔ اس کا ذکر یہاں اس لیے کیا جاتا ہے کہ ممکن ہے کسی طالب علم کی اس پر نظر پڑ جائے اور وہ اس پر عمل کرنے لگے یا کسی طالب علم کے والدین کو ان سطور کے مطالعہ کا موقع ملے تو وہ اپنے بچوں کو اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کریں۔ صبح کی نماز باجماعت پڑھنے کے بعد

کے علاوہ پاجامہ، مصلی، لوٹا، وغیرہ۔ غیر سرکاری مال بھی اس میں ڈال رکھا تھا۔ ممکن ہے لوٹے کی گونٹی کے ساتھ سی سے بن کی مسواک بھی باندھ رکھی ہو۔ ایک دن انھوں نے سبی جانا تھا۔ ایس ایم (سٹیشن ماسٹر) سے کہا کہ میرا بکس بریک میں رکھوادیں، اور خود آگے جا کر ڈرائیور کا نام اور انجن کا نمبر نوٹ کر کے ڈرائیور کو چلنے کا اشارہ دے دیا۔ گاڑی چل پڑی۔ یہ پیچھے آ کر بریک میں سوار ہونے لگے تو دیکھا کہ قلعی ان کا بکس اٹھائے آ رہا ہے۔ گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی تھی اور قلعی کا بکس لے کر بریک تک پہنچنا مشکل تھا۔ بڑے پریشان ہوئے کہ سب ضروری چیزیں اس بکس میں تھیں۔ اتنے میں ریلوے کے ایک ملازم نے کہا آپ جاے، پیچھے میل ٹرین (کوئٹہ میل) آ رہی ہے، آپ کا بکس اس میں بھیج دیا جائے گا۔ گاڑی رن تھرو تھی، پیچھے لیمپ نہیں تھا۔ ہر اسٹیشن پر گاڑی روک لی جاتی اور ان سے دستخط لیے جاتے کہ گاڑی ٹھیک جارہی ہے۔ رات کا سفر، سردی کا موسم اور گاڑی کوئے کی طرف جارہی ہے۔ سردی لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی ہے اور ہوا کے تیز جھونکے پورے زور سے گارڈ صاحب کی طرف آرہے ہیں۔ وہ کبھی بیٹھتے ہیں، کبھی اٹھتے ہیں، کبھی اپنے ڈبے میں گھومنے لگتے ہیں، کبھی بصورت ورزش ڈنڈ پلٹتے اور بیٹھکیں لگاتے ہیں۔ کسی اسٹیشن پر گاڑی رکتی ہے تو کنٹرول سے پتا کرتے ہیں کہ کوئٹہ میل کہاں ہے؟ لیکن اس کا کہیں نام و نشان نہیں ہے۔ سردی کی شدت سے اس طرح ٹھٹھڑ گئے کہ تقریباً یقین ہو گیا کہ یہ زندگی کی آخری رات ہے۔ اس واقعہ پر کم و بیش ستر برس کا عرصہ بیت چکا ہے لیکن وہ ماشاء اللہ زندہ ہیں اور اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک زندہ ہیں۔

اسی حالت میں صبح کے قریب جب سبی دو تین اسٹیشن رہ گیا تو کوئٹہ میل نے انھیں آ پکڑا۔ یہ دوڑ کر اس کے گارڈ کے پاس پہنچے اور اپنے بکس کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ آپ کا بکس میں بہت پیچھے فلاں اسٹیشن پر چھوڑ آیا ہوں۔ یہ الفاظ سن کر تکلیف مزید بڑھ گئی۔ دوسرے دن واپسی پر اس اسٹیشن سے بکس لیا اور یادداشت

تلاوت قرآن۔ پھر تھوڑی بہت سیر۔ واپس آ کر غسل اور ناشتہ۔ پھر سکول (یا کالج) کو روانگی۔ چھٹی کے بعد گھر آ کر کھانا۔ پھر ظہر کی نماز۔ بعد ازاں وقت کی گنجائش کے مطابق آرام۔ پھر عصر تک کسی کتاب کا مطالعہ۔ عصر کی نماز کے بعد تقریباً ایک گھنٹا پھر مطالعہ۔ اس کے بعد غروب آفتاب تک کھیل، فٹ بال یا ہاکی۔ پھر مغرب کی نماز۔ پھر کھانا اور کھانے کے بعد کسی دوست کے ساتھ یا اکیلے سیر، واپس آ کر عشا کی نماز باجماعت اور پھر سوچا نا۔ موسم اور حالات کے مطابق گرمی اور سردی میں طالب علمی کے دور میں یہی نظام اوقات رہا۔

تعلیم کے زمانے میں طلباء کے لیے مختلف شہروں اور علاقوں کی سیر و سیاحت کا سلسلہ بھی چلتا ہے۔ چودھری غلام حسین نے اس زمانے میں اپنے کالج کے طلباء کے ساتھ لدھیانہ، امرتسر، دہلی فتح پور سیکری، متھرا، آگرہ، علی گڑھ وغیرہ کی سیر کی۔ ان شہروں میں مجھے بھی گھومنے پھرنے کا بہت موقع ملا۔ اس کی روداد میں نے اپنی کتاب ”گز رنگی گزران“ میں بیان کی ہے۔

بی اے میں کامیاب ہونے کے بعد چودھری غلام حسین کا ارادہ پنجاب یونیورسٹی میں ایم اے عربی میں داخلہ لینے کا تھا لیکن ایک بزرگ سید حسین شاہ نقوی نے ان کو ریلوے میں بطور گارڈ بھرتی کرا دیا۔ شاہ صاحب بڑے مخلص آدمی تھے، میں انھیں جانتا تھا۔ وہ محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ انھوں نے فیروز پور میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجانی سے قرآن مجید کا ترجمہ پڑھا تھا اور ان سے عقیدت مندانہ مراسم رکھتے تھے۔ پریکٹیکل اور تھوریٹکل ٹریننگ کے لیے چودھری صاحب والٹن ٹریننگ سکول میں داخل ہو گئے۔ یہ دو مہینے کا کورس تھا۔ کورس مکمل ہوا تو گڈس ٹرین کے گارڈ کے طور پر کراچی ڈویژن میں روہڑی سکھر میں ان کی تعیناتی ہوئی۔ اب اس زمانہ ملازمت کے چند واقعات سنئے!

○ گارڈ کے پاس لکڑی کا ایک بکس ہوتا ہے، جس میں ایک لیمپ، رجسٹر، ارائیول ڈیپارچر کے فارم، کمبل، جھنڈیاں اور پٹانے وغیرہ ہوتے ہیں۔ لیکن چودھری صاحب نے ان سرکاری چیزوں

سے کاغذات پر کیے۔

◎ ایک دن چودھری صاحب اپنی گڈس ٹرین لے کر سب سے واپس آرہے تھے کہ لاڑکانہ کے قریب ان کی ٹرین کسی اسٹیشن پر رکی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ یہ بریک کی کچھلی طرف کھڑے دھوپ سینک رہے تھے کہ ایک لمبا تڑنگا نوجوان ان کے پاس آیا اور کہا مجھے فلاں اسٹیشن تک جانا ہے، وہاں اتار دینا اور جتنے پیسے چاہے لے لینا۔ انھوں نے اسے بٹھالیا اور اسے دیکھ کر مسکرایا۔ اس نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو کہا تمھارا نام زین العابدین ہے؟ اس نے حیرانی سے ان کی طرف دیکھا اور کہا: جی ہاں میرا نام زین العابدین ہے۔ انھوں نے دوسرا سوال کیا: آج سے دس بارہ سال پہلے تم گورنمنٹ ہائی سکول فیروز پور (پنجاب) میں پڑھتے رہے ہو؟ وہ سوچ کر کہنے لگا: جی ہاں۔ ساتھ ہی کہا لیکن میں نے آپ کو بالکل نہیں پہچانا۔ سندھ کے اس جنگل اور ریگستان میں آپ میرے واقف کیسے نکل آئے؟ اتنے میں اس کا اسٹیشن آگیا اور وہ سلام کر کے گاڑی سے اتر گیا۔

◎ ایک دن یہ کوڑی کی طرف سے روہڑی ہیڈ کوارٹر کی طرف جارہے تھے کہ ایک اسٹیشن پر ان کی گاڑی رکی۔ بریک کے دو دروازے ہوتے ہیں، یہ پچھلا دروازہ اندر سے بند کر کے اگلے دروازے سے نکل کر پلیٹ فارم پر آ گئے اور اسٹیشن کے عملے سے باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں ڈیپارچر (رواگی) کا وقت ہو گیا۔ اسٹیشن ماسٹر نے سگنل دے دیا، انھوں نے بھی جھنڈی ہلا دی اور گاڑی چل پڑی۔ بریک ان کے برابر آئی تو بھاگ کر کچھلی طرف چڑھ گئے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ سوچا کہ یہاں کھڑے رہے تو سردی سے برا حال ہو جائے گا۔ اگلی طرف جانے کی کوئی صورت نہ تھی، اس لیے کہ دونوں طرف کے فٹ بورڈ الگ الگ تھے۔ انھوں نے آگے کومنھ کر کے چھلانگ لگا دی۔ گاڑی کی رفتار تیز ہو چکی تھی، اس کا پچھلا حصہ بھی اسٹیشن سے نکل چکا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے نے ان کو آگے دھکیل دیا۔ یہ

نہایت خطرناک صورت حال تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمائی کہ ہاتھ اگلی طرف بار پر پڑ گیا اور کوڈر اوپر چڑھ گئے یعنی موت کے جبروں سے نکل گئے۔

◎ ان لوگوں کو مہینے کی تاریخوں کا علم تو ہوتا ہے، لیکن دنوں کا بالعموم پتا نہیں چلتا۔ ایک دن ایک بجے کے قریب اپنے ہیڈ کوارٹر روہڑی آئے۔ اسٹیشن پر گاڑی سے اترے تو اچانک خیال آیا کہ آج جمعے کا دن ہوگا۔ ٹکٹ کلکٹر سے پوچھا تو اس نے کہا آج شاید جمعرات ہے۔ اے ایس ایم سے پوچھا تو اس نے جواب دیا شاید جمعہ المبارک ہے۔ انھیں تسلی نہ ہوئی تو ایس ایم سے پوچھا۔ اس نے کہا معلوم نہیں کیا دن ہے۔ ایک قلی نے کہا اس پہاڑی کے پرے جامع مسجد ہے۔ وہاں جا کر دیکھ لیں، اگر جمعہ ہو رہا ہو تو پڑھ لیں، ورنہ واپس آ جائیں۔ پریشان ہو کر اپنے کوارٹر کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ایک مسجد آئی، اس میں خطبہ ہو رہا تھا۔ اب کپڑے بدلنے کے لیے تیزی سے کوارٹر میں آئے۔ واپس گئے تو نماز جمعہ پڑھی جا چکی تھی، جس کا انھیں نہایت افسوس ہوا۔

◎ اب ایک واقعہ اور سنئے جو اس سلسلے کا آخری واقعہ ہے اور ان کی ریلوی کی ملازمت کا بھی آخری واقعہ ہے۔ ایک مرتبہ رات کے آخری حصے میں اپنے ہیڈ کوارٹر روہڑی اسٹیشن پر گاڑی چھوڑ کر اپنے کوارٹر میں آئے تو دیکھا کہ فجر کی نماز میں تقریباً آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ اس وقت سو جاتے تو نماز فجر کے قضا ہونے کا خطرہ تھا اور قبل از وقت نماز بھی نہیں پڑھ سکتے تھے۔ اب پتلون اور جوتوں سمیٹ ٹیڑھے سے ہو کر چارپائی پر لیٹ گئے تاکہ نیند نہ آئے اور نماز پڑھ کر سوئیں۔ چونکہ ساری رات جاگتے رہے تھے اور تھکاوٹ بھی تھی، اس لیے لیٹتے ہی نیند نے غلبہ پالیا۔ معلوم نہیں کس وقت نیند ہی کی حالت میں بوٹ اتار کر بستر میں سیدھے ہو گئے اور کمبل اوڑھ لیا۔ کچھ پتا نہیں کب تک سوئے رہے۔ نیند سے بیدار ہو کر باہر نکلے تو ہلکی ہلکی سی دھوپ تھی۔ سردی محسوس ہوئی تو کرسی پر دھوپ میں بیٹھ گئے۔ خیال یہ تھا کہ دھوپ زیادہ

نماز کے بعد ملازمت سے استعفا لکھ کر اسٹیشن ماسٹر کی میز پر رکھا اور رات کی ٹرین سے لاہور کو روانہ ہو گئے۔ گارڈ کی حیثیت سے صرف دو مہینے ملازمت کی اور پھر یہ ملازمت نماز کی نذر ہو گئی۔ اس لیے کہ اس ملازمت میں وقت پر نماز نہیں پڑھی جاسکتی تھی۔ یہ ۱۹۴۳ء کے آخر یا ۱۹۴۴ء کے شروع کی بات ہے۔

اس کے بعد ایک اور ملازمت کے بارے میں سنئے۔ یہ فیروز پور چھاؤنی میں کنٹرولر آف ملٹری اکاؤنٹس کے دفتر کی ملازمت ہے۔ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ یہاں ان کے افسر ہندو اور سکھ تھے۔ انھوں نے ظہر کی نماز پر اعتراض کیا تو انھوں نے ملازمت چھوڑ دی۔ اس دفتر میں چار مہینے کام کیا۔ یعنی دونوں سرکاری ملازمتیں نماز برد وقت نہ پڑھ سکے یا ان کے پڑھنے پر اعتراض کی وجہ سے چھوڑ دیں اور استعفا دے کر گھر آ گئے۔ (جاری ہے)

اور سردی کم ہو تو رنگ روم میں جا کر غسل کریں گے اور فجر کی نماز پڑھ کر ناشتہ کریں گے۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد سردی زیادہ ہونے لگی اور دھوپ نے زرد چادر اوڑھنا شروع کر دی۔ گھڑی دیکھی تو چھ بجے تھے۔ انھوں نے سمجھا گھڑی رک گئی ہے۔ اب صبح کے آٹھ بجے کا وقت ہونا چاہیے۔ ساتھ والے کوارٹر میں کھڑکی کے اندر سے دیکھا تو وہ کلاک بھی چھ بج رہا تھا۔ ایک اور گھڑی دیکھی تو اس پر بھی یہی وقت تھا۔ تمام گھڑیاں تو خراب نہیں ہو سکتی تھیں۔ خیال ہوا کہ سورج کو دیکھا جائے۔ سورج کو دیکھا تو وہ دن کا سفر طے کر کے مغرب میں نیچے کو جا رہا تھا۔ بہت افسوس ہوا کہ ایک فجر کی نماز کی فکر تھی، لیکن اب ظہر اور عصر کی نمازیں بھی قضا ہو چکی ہیں۔

فجر سے لے کر عصر تک قضا شدہ نمازیں اکٹھی پڑھیں۔ مغرب کی

بقیہ: تفسیر سورة الصّٰفّٰت

۳: کاہن سے اس لیے پوچھے کہ اس کے بارے میں آگاہی حاصل ہو کہ وہ کیا اور کیسا ہے۔ اس کی بات کو صحیح سمجھ کر اس پر عمل کرنے یا یقین کرنے کے لیے نہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے ابن صیاد سے فرمایا تھا: تم کیا دیکھتے ہو؟ اس نے کہا: میرے پاس سچی اور جھوٹی دونوں قسم کی خبریں آتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر سب کچھ غلط ملط ہوا (جیسے کاہن ہوتے ہیں ایک سچ سو جھوٹ) آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے تیرے لیے (اپنے دل میں) بات چھپائی ہے (بتلا وہ کیا ہے)؟ ابن صیاد نے کہا: خ، یعنی وہ پورا لفظ نہ بول سکا، آپ نے فرمایا: دور ہو تو اپنی حیثیت سے تجاوز نہیں کرے گا۔ (صحیح بخاری: ۳۰۵۵)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں اور دوسرے کاہنوں کے بارے میں جو مقدر کیا ہے تو اس سے تجاوز نہیں کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سوال اس کی حیثیت معلوم کرنے کے لیے اور صحابہ کرام کے سامنے اس کی نوعیت واضح کرنے کے لیے کیا تھا۔

۴: کاہن سے امتحان کے لیے سوال کیا جائے تاکہ اس کی بے بسی اور جھوٹ اجاگر ہو۔ اس قسم کا سوال تو کبھی واجب ہوتا ہے تاکہ اس کے دعویٰ کا ابطال ہو سکے۔ (القول المفید علی کتاب التوحید للشیخ العثیمین، ص: ۳۴۱)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے بسند جید روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو شگون، فال لے یا اس کے واسطے شگون، فال لی جائے، یا خود کہانت کرے یا اس کے لیے کہانت کی جائے، یا خود جادو کرے یا اس کے واسطے جادو کیا جائے، اور جو کاہن کے پاس آ کر اس کی بات کی تصدیق کرے اس نے محمد ﷺ پر نازل شدہ دین کے ساتھ کفر کیا۔ (بزار، مجمع الزوائد: ۱۱۷۵)

ان احادیث سے کاہن اور عراف کے پاس جانے کی حرمت اور انھیں سچا جانے پر شدید وعید ثابت ہوتی ہے کہ ایسا شخص کفر کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کے پاس اگر اس کی حیثیت معلوم کرنے اور لوگوں کے سامنے اسے چھوٹا ثابت کرنے کے لیے جایا جائے تو وہ اس حکم کا مصداق نہیں جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔

شیخ الحدیث مولانا مفتی عبید اللہ عقیف کے برادر اصغر

حضرت مولانا سعید احمد سلفی وفات پا گئے

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبید اللہ خاں عقیف کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا سعید احمد سلفی خطیب مرکزی جامع مسجد اہل حدیث باب عمر رضی اللہ عنہ جھنگ شہر طویل علالت کے بعد ۷ جون ۲۰۱۳ء بروز جمعرات ۷۱ برس کی عمر میں وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا سعید احمد سلفی جھنگ شہر میں مرکزی مسجد اہل حدیث باب عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں عرصہ ۴۳ برس سے خطبات جمعہ کے علاوہ نماز پنجگانہ پڑھاتے چلے آ رہے تھے۔ مرحوم نے بڑی عمدگی سے شہر جھنگ میں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم، ترویج مسلک اہل حدیث اور کتاب و سنت کی خدمت کی۔

شہر کے ماحول کے پیش نظر جب بھی عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کو گندھلانے کی کوشش کی گئی تو آپ برہنہ شمیر کی طرح وار کرتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں سالانہ کانفرنس منعقد کرواتے تھے۔ شہر کی انتظامیہ اور افسران کو نام لے کر پکارتے اور انھیں اپنے فرائض یاد کراتے تھے۔ حضرت مولانا محمد صدیق بلوچ مرحوم اس جلسے کے مہمان خصوصی ہوا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کے جید علمائے کرام بھی تشریف لاتے تھے۔

مرحوم ایک جہان دیدہ شخصیت تھے۔ انھوں نے ۷۱ برس عمر پائی۔ پس ماندگان میں تین بیٹے اور دو بیٹیاں سو گوار چھوڑی ہیں۔ انھیں چک ۵۳۱ گ ب ضلع فیصل آباد میں بہت بڑی تعداد کی موجودگی میں سپرد رحمت باری کیا گیا۔ نماز جنازہ مفتی عبید اللہ خاں عقیف بلوچ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ سیاسی، سماجی اور دینی مکاتب فکر کے بے شمار افراد شریک جنازہ ہوئے۔

کارکنان ادارہ الاعتصام مرحوم کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اور پس ماندگان و حضرت مفتی عبید اللہ عقیف صاحب کے غم میں شریک ہیں۔ اللہ کریم مولانا سلفی مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے، آمین۔

مولانا حکیم محی الدین سلفی کی وفات

مولانا حکیم محی الدین سلفی خطیب جامع مسجد مرکزی اہل حدیث بلاک ۱۹ سرگودھا گزشتہ دنوں طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم طویل عرصے سے مرکزی مسجد بلاک ۱۹ میں خطیب چلے آ رہے تھے۔ آپ کی آواز بڑی مؤثر تھی۔ تبلیغ دین اور اشاعت مسلک اہل حدیث آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ خطبہ جمعہ شروع ہونے سے پہلے مسجد کا ہال لوگوں سے بھر جاتا تھا۔ جمعہ وعیدین میں لوگوں کا جم غفیر ہوتا تھا۔ ادارہ الاعتصام آپ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔ آپ کے پس ماندگان کے لیے صبر جمیل اور مرحوم کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔ (ادارہ)